Malik ji www.urdufanz.com
MIS
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز
قصبے کا اغواء
اشتیاق احمد
ایم آئی ایس پبلشرز

دو باتیں

السلام علیکم! یہ قصبے کا اغوا کی دو باتیں ہیں۔ ناول کا نام سن کر آپ کو حیرت ہوئی ہوگی... بھلا قصبے کا اغوا بھی ہو سکتا ہے... اغوا تو کسی انسان کا یا کئی انسانوں کا ہو سکتا ہے... معاف کیجیے گا... پہلے آپ ناول پڑھ لیجیے... پھر قصبے کا اغوا نام پر بات کیجیے گا... میرا خیال ہے کہ اس وقت آپ اس بارے میں بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے...

ایم آئی ایس کے لیے یہ چھٹا ناول ہے۔ اس سلسلے میں خوش آئند بات یہ ہے کہ ان حضرات نے ناولوں کی باقاعدہ ایک تاریخ مقرر کر دی ہے۔ جی ہاں! ہر ماہ کی پندرہ تاریخ کو آپ شوق سے بلکہ ذوق سے بھی ضرب مومن کے دفاتر میں جا سکتے ہیں، وہاں ناول آپ کو موجود ملے گا... اس طرح آپ بار بار چکر لگا لگا کر تھکیں گے نہیں جیسا کہ اس سے پہلے شائع کرنے والوں کی بے قاعدگی کی وجہ سے آپ پریشان ہوتے رہے ہیں۔

پہلا ناول دس سال بعد تھا... اس کے نام کے بارے میں بہت سے قارئین غلط فہمی کا شکار ہو گئے، حالانکہ اس سے بہتر تھا کہ آپ تو خوش ہو جاتے... ہاں تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ تو پرانا ناول ہے...

دس سال بعد بالکل نیا ناول تھا... البتہ آج سے پچیس سال پہلے ایک ناول بیس سال بعد نام کا شائع ہوا تھا... بس یار لوگ اس نام سے یہ خیال کر بیٹھے، اسی لیے میں یہ بات واضح کر دینا پسند کروں گا کہ ایم آئی ایس کے لیے بالکل نئے ناول لکھ رہا ہوں! ہاں ادارہ اگر پرانے ناولوں کی اشاعت کا بھی پروگرام ترتیب دے گا تو اس کے لیے باقاعدہ اعلان کیا جائے گا اور ناول کی جھلکیوں میں یہ بات لکھی جائے گی کہ یہ پرانا ناول ہے... لہٰذا مطمئن رہیے... یہ ناول نئے ناول ہیں... ان کے نئے پن کا میرے پرانے ہو جانے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اتنی بات ضرور ہے کہ لکھنے والوں کے ہاں مشابہت اور مماثلت ایک قدرتی بات ہے۔ ایک انگریز مصنف ہے ہیڈلے چیز۔ اس نے تقریباً 200 ناول لکھے ہیں... اس کا ہر ناول پڑھتے ہوئے یہ گمان ہوتا ہے کہ بالکل ایسا ہی ناول میں پہلے پڑھ چکا ہوں خود میں بچپن میں جب اس کے ناول پڑھا کرتا تھا تو یہ بات ضرور محسوس کیا کرتا تھا... لہٰذا مطمئن رہیں... اور ہر ماہ کی پندرہ تاریخ کو دفاتر پہنچ جایا کیجیے!

اشتیاق احمد

☆☆☆☆☆

بادشاہ

''تم جانتے ہو خان رحمان، میں نے تمہیں اس وقت کیوں بلایا ہے؟'' انسپکٹر جمشید مسکراتے ہوئے بولے۔

''بالکل نہیں جانتا۔'' انہوں نے زوردار انداز میں سر ہلایا۔

''پروفیسر صاحب! آپ جانتے ہیں۔''

''حد ہو گئی... بھائی میرے غیب کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔'' پروفیسر داؤد نے برا سا منہ بنایا۔

''بالکل ٹھیک... اچھا تو سنیں، میں خان رحمان کو بادشاہ بنانا چاہتا ہوں۔''

''شوق سے بناؤ... ہائیں کیا کہا... بادشاہ... ارے باپ رے... یار جمشید... توبہ کرو... وہ بھی جلدی سے... ہائیں تم نے توبہ نہیں کی... پروفیسر صاحب آپ دیکھ رہے ہیں...''

''ہاں! بالکل دیکھ رہا ہوں... اس لیے کہ عینک لگا رکھی ہے میں نے۔''

''اوہو... آپ غور کریں... جمشید مجھے بادشاہ بنانے چلا ہے!

ہے۔'' خان رحمان نے آنکھیں نکالیں۔

''بری بات ہے جمشید... اس میں جلنے کی کون سی بات ہے... تم بغیر کہے بھی خان رحمان کو بادشاہ بنا سکتے ہو۔''

''توبہ ہے آپ سے پروفیسر صاحب... ارے صاحب... یہ مجھے بادشاہ بنا رہے ہیں... بادشاہ۔''

''ہائیں... جمشید... یہ ناانصافی... بادشاہ ہی بنانا ہے تو مجھے بناؤ... پہلے میرا حق بنتا ہے۔''

''دھت تیرے کی۔'' خان رحمان نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

''انکل آپ بھول رہے ہیں... آپ محمود نہیں ہیں۔'' فاروق مسکرایا۔

''تم سب سے تو یہ... یعنی میری بات کو مذاق میں اڑائے دے رہے ہیں... مجھے نہیں بننا بادشاہ وادشاہ۔''

''وادشاہ تو خیر ابا جان آپ کو بنا بھی نہیں رہے۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''اوہو بھائی... آج کے دور میں بادشاہ بننا لوہے کے چنے چبانا ہے، سر اوکھلی میں دے کر موسلوں کی بارش کا نام ہے... خالہ جی کا گھر نہیں ہے... اسے یوں سمجھ لو... دودھ کی نہر نکال کر لانے سے بھی مشکل ہے... اور جب میں دودھ کی نہر تک نہیں نکال کر لا سکتا تو بادشاہ کیسے بن سکتا ہوں۔''

''یہ تو... ہم بھی نہر تک جا پہنچے۔'' فاروق گھبرا گیا۔

''ہاں اچھا... دودھ تو خوب سیر ہو کر پئیں گے۔'' فرزانہ ہنس

"تو تمہارا خیال ہے... میں اپنے گھر میں دودھ سیر ہو کر نہیں پیتا۔"
خان رحمان نے فرزانہ کو گھورا۔

"ارے باپ رے... آج تو ہر بات کا مطلب الٹ بیٹھ رہا ہے۔"

"جب کہ مطلب کو چاہیے... بیٹھنا نہ ہے... کھڑا رہے۔" فاروق جھٹ سے بولا۔

"بس معلوم ہو گیا... میں آج کی تاریخ میں انہیں بادشاہ نہیں بنا سکوں گا۔" انسپکٹر جمشید جھلا کر بولے۔

"اس... اس کا مطلب ہے... جمشید... کل پھر تم کوشش کرو گے... ارے باپ رے... دیکھو بھائی... میں بادشاہ ہرگز نہیں بنوں گا... یہ دنیا کا مشکل ترین... فضول ترین اور گھٹیا ترین کام ہے... اس میں سو طرح کی مشکلات سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں... بلکہ مشکلات کے پہاڑ آڑے آ جاتے ہیں... انسان ان پہاڑوں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر جاتا ہے... اور ہاتھ کچھ نہیں آتا..."

"تم ایک دم غلط سمجھ رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید ہنس دیے۔

"گویا تمہارا خیال ہے... بادشاہ بننا آسان ترین کام ہے۔"

"جس بادشاہ کی بات میں کر رہا ہوں... وہ واقعی آسان ترین ہے۔"

"ہائیں... تم کون سے بادشاہ کی بات کر رہے ہو جمشید۔" پروفیسر داؤد حیران رہ گئے۔

"فرضی بادشاہ۔"

"کک... کیا... کیا کہا... فرضی بادشاہ... یہ کس قسم کا بادشاہ ہو...

ہے... میں نے تو آج تک اس قسم کے بادشاہ کا کہیں ذکر نہیں سنا... نہ کسی کتاب میں پڑھا۔" خان رحمان اب پریشان ہو گئے۔

"اب آپ لوگ مجھے وضاحت کرنے دیں گے تو بات سمجھ میں آئے گی نا۔" انہوں نے برا سا منہ بنایا۔

"میرا خیال ہے، ہم نے تو تمہیں وضاحت کرنے سے بالکل بھی نہیں روکا۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

"میں ادھر ایک جملہ کہتا ہوں... ادھر باری باری سب اس جملے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں... ان حالات میں میں وضاحت کیسے کروں۔" انہوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"مطلب یہ کہ تم چاہتے ہو... ہم سب خاموش ہو جائیں۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"ہاں بالکل۔"

"تم نے سنا فاروق۔" خان رحمان اس کی طرف مڑے۔

"صرف میں نے ہی کیوں... آپ نے باقیوں سے کیوں نہیں کہا... کیا اس وقت تک صرف میں ہی بول رہا ہوں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اُف مالک... اچھا میں انسپکٹر کامران مرزا پارٹی کو بلا لیتا ہوں... اب میں انسپکٹر کامران مرزا کو بادشاہ بناؤں گا۔" انہوں نے جھلا کر کہا۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا... بادشاہ بننا جان جوکھوں کا کام ہے... کیا تو اس قدر جلد بادشاہت سے تنگ آ رہے ہو۔"

"فرضی بادشاہ سے مراد ہے... نقلی بادشاہ۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں جمشید... اب تم مجھے نقلی بادشاہ بناؤ گے۔" خان رحمان نے آنکھیں نکالیں۔

"میری توبہ... جواب میں کسی کو بادشاہ بناؤں۔" انہوں نے تلملا کر کہا اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

"انکل! میرا خیال ہے... اب آپ بادشاہ بن ہی جائیں... ابا جان بہت پریشان ہو گئے ہیں۔"

"اچھا! تم کہتے ہو تو بن جاتا ہوں... چلو جمشید... بناؤ اب بادشاہ..."

"جاؤ... جاؤ... پہلے منہ دھو کے آؤ۔"

"ہاں واقعی... بادشاہ بننے سے پہلے منہ بھی تو دھونا ہوتا ہے... اچھا ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر خان رحمان اٹھے اور جانے لگے غسل خانے کی طرف۔

"معلوم ہوتا ہے... آج یہاں کوئی سنجیدگی اختیار نہیں کرے گا..."

"میں کیے لیتی ہوں۔" باورچی خانے سے بیگم جمشید کی ہنسی آمیز آواز سنائی دی۔

"اچھا... اب تمہیں بھی زکام ہوا۔"

"آپ نے مجھے بی مینڈکی کہا؟" بیگم جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

"بالکل نہیں کہا... میرے جملے میں کوئی لفظ مینڈکی نکال کر دکھائے۔"

"بس معلوم ہو گیا۔" پروفیسر داؤد نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"اللہ کا شکر ہے... چلو معلوم تو ہوا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن یہ بھی تو معلوم ہو کہ معلوم کیا ہوا ہے۔" [illegible]

کر کہا۔

"آج ہم میں سے کوئی بھی سنجیدگی اختیار کرنے کے موڈ میں نہیں ہے... لہٰذا..." پروفیسر داؤد کہتے کہتے رک گئے۔

"اب آپ نے لہٰذا کی ٹانگ اڑا دی۔"

"اچھا بھئی... سب لوگ خاموش! پہلے جمشید کو پوری وضاحت کرنے دو... پہلے یہ اپنی بات مکمل کر لیں تو... پھر ہم اپنی بات شروع کریں گے۔" پروفیسر داؤد نے گویا اعلان کیا۔

"جی اچھا! ہم اب بالکل نہیں بولیں گے۔" محمود نے زوردار انداز میں سر ہلایا۔

"میں بھی خاموش ہو رہا ہوں گا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"تم نے دیکھا جمشید... ہم سب خاموش ہو گئے ہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"ہاں! تم سب کے جملوں سے خاموشی ٹپک رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید جل گئے۔

"اللہ کا شکر ہے... میں نہیں بولی۔" باورچی خانے سے بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے... آج تو ہر کوئی دوسرے سے آگے نکلنے کے چکر میں ہے... دال گلتی نظر نہیں آتی۔"

"اب ابا جان تنگ آ گئے ہیں... لہٰذا سب ہونٹ مضبوطی سے بند کر لیں۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

ایک دم سب نے ہونٹ بھینچ لیے... اور پھر اس قدر زور سے

کھینچ کر جلیے ہی بگڑ گئے... یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید کو ہنسی آ گئی... آخر انہوں نے کہا:

"خان رحمان بادشاہ بنیں گے... پروفیسر داؤد ان کے سیکرٹری اور میں ان کا باڈی گارڈ... باقی رہ گئے محمود، فاروق اور فرزانہ... یہ دونوں شہزادے اور فرزانہ شہزادی۔"

کوئی کچھ نہ بولا... آخر پھر انسپکٹر جمشید ہی بولے:

"حلیے تبدیل کیے جائیں گے... شاہی لباس کا انتظام ہو چکا ہے... آج رات ہم حلیوں کی تبدیلی کا کام مکمل کر لیں گے اور صبح سویرے گھر سے نکل کھڑے ہوں گے... اس وقت اتنا اندھیرا ہو گا کہ کوئی ہمیں نہیں دیکھ سکے گا... باقی رہا چوراہوں کا معاملہ... گاڑی کے آگے خاص فلیگ لگا ہو گا... کوئی پولیس والا گاڑی نہیں روکے گا۔"

اب بھی کوئی کچھ نہ بولا۔

"اب آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے... ایسا کیوں کیا جائے گا... بے فکر رہو... ہم کوئی ڈرامہ سٹیج نہیں کر رہے... ایک بہت اہم کیس پر کام کرنا ہے... لیکن کسی پر ظاہر نہیں کیا جائے گا کہ دراصل ہم ہیں کون... ورنہ مجرم ہوشیار ہو جائیں گے اور ہاتھ نہیں آئیں گے... صرف اتنا سن لیں... اس وقت تک کئی اہم افراد وہاں جا کر غائب ہو چکے ہیں... پھر ان کا نشان تک نہیں ملا... اگرچہ دارالحکومت کی پولیس نے پوری طرح تلاشی لی ہے۔"

وہ اب بھی خاموش رہے... البتہ اب ان کے چہروں پر حیرت ہی حیرت نظر آ رہی تھی...

"میں اپنی بات مکمل کر چکا ہوں... اور چاہتا ہوں... کہ اب کام شروع کر دیا جائے... اب آپ کچھ کہنا چاہتے ہوں تو کہہ سکتے ہیں۔"

"اب کہنے کے لیے رہ ہی کیا گیا۔"

"کیا آپ مجھے اس مہم میں شریک نہیں کریں گے۔"

"کیوں بیگم... کیا تم اس مہم پر جانا چاہتی ہو۔"

"نہیں... میں تو اپنے ہیڈ کوارٹر کی بات کر رہی ہوں... یہاں بھی تو مجرم آ سکتے ہیں۔"

"اس کا امکان نہیں... مجرموں کا گڑھ یہاں سے بہت دور ہے..."

"اچھی بات ہے... میں یہاں بیگم شیرازی کو بلا لیتی ہوں... آپ لوگوں کی واپسی تک ہم دونوں ساتھ رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے... یہ اچھی بات ہے۔"

ایسے میں دروازے کی گھنٹی بجی، انہوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا... پھر انسپکٹر جمشید بولے:

"دیکھو محمود کون ہے۔"

"ہم... میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"اچھا تو پھر میں دیکھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید دروازے پر پہنچ گئے...

"کون صاحب!" انہوں نے دروازہ کھولے بغیر کہا۔

"میرے پیچھے دشمن لگے ہوئے ہیں... فوراً دروازہ کھول دیجئے۔"

انہوں نے میجک آئی سے باہر دیکھا... وہاں موجود شخص واقعی [illegible] کی گھبراہٹ مصنوعی نہیں تھی... چنانچہ انہوں نے دروازہ

کھول دیا... عین اس وقت انہوں نے اسے اوندھے منہ گرتے دیکھا... انہوں نے بس اس کی ہلکی سی سسکی کی آواز سنی تھی۔ ان کے منہ سے نکلا:

''کیا ہوا بھئی۔''

اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا... نہ اس نے حرکت کی...

انسپکٹر جمشید حیرت کے عالم میں اس پر جھکے... انہوں نے اسے الٹا تو اس کی کھلی آنکھیں دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئے... ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا:

''ارے باپ رے! یہ تو رخصت ہوا؟''

اس وقت تک محمود، فاروق اور فرزانہ بھی دروازہ پر آچکے تھے...

''کیا کہا آپ نے... مر گیا؟'' ان کے منہ سے نکلا...

''ہاں! محمود... تم اکرام کو فون کرو...''

''جی اچھا۔''

محمود فون کرنے لگا، وہ جھک کر اس کا جائزہ لینے لگے... ایسے میں مارے خوف کے ان کے منہ سے نکلا:

''ارے باپ رے۔''

☆☆☆☆☆

ہوشیار خبردار

''کیا ہوا ابا جان۔''

''اسے بلو پائپ کے ذریعے ہلاک کیا گیا ہے... اس کی گدی میں سوئی موجود ہے... افسوس... میں نے اس وقت اس کی طرف نہیں دیکھا، ورنہ میں قاتل کو دیکھ سکتا تھا... بلکہ شاید میں اسے پکڑ بھی لیتا... لیکن میں اس وقت پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا اور جب یہ گرا تو اس وقت گمان بھی نہیں تھا کہ اس پر حملہ کیا گیا ہے...''

''اس نے کیا کہا تھا بھلا؟'' فرزانہ نے پوچھا۔

''اس نے کہا تھا... میرے پیچھے دشمن لگے ہیں... فوراً دروازہ کھولیں... لیکن اس وقت گلی میں کوئی بھی نہیں تھا... غالباً جب میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا، عین اس وقت کوئی موڑ مڑا تھا اور ساتھ ہی اس نے بلو پائپ میں پھونک ماردی... اس کا مطلب ہے... وہ بہت ماہر تھا۔''

''افسوس! ہم اس کی کہانی بھی نہ سن سکے...''

انسپکٹر جمشید اس کی تلاشی لینے لگے... اس وقت تک کچھ لوگ

گزرنے والے اور چند ایک پڑوسی اسے گرا دیکھ کر آس پاس رک چکے تھے۔''

''کیا ہوا جمشید صاحب۔'' ایک پڑوسی بولا۔

''یہ صاحب ہمارے دروازے پر پہنچے ہی تھے کہ کسی نے اس کی طرف زہریلی سوئی پھینک دی۔''

''آپ... آپ کا مطلب ہے... اسے قتل کیا گیا ہے۔'' پڑوسی بوکھلا اٹھا۔

''ہاں!...''

لوگ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس کی تلاشی لینے پر کچھ بھی نہ نکلا... آخر اکرام وہاں پہنچ گیا۔

''اکرام! تم اپنی کارروائی مکمل کرلو... ہمیں معلوم کرنا ہے، یہ کون تھا... کہاں سے آیا تھا اور کیوں۔''

''مطلب یہ کہ تلاشی لینے پر کچھ نہیں ملا۔'' اکرام بولا۔

''ہاں! یہی بات ہے... اور اب ہم اندر جاتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے سر... میں اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔''

وہ اندر آ گئے... اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا:

''ہاں تو کیا بات ہو رہی تھی؟''

''تم مجھے بادشاہ بنانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔'' خان رحمان نے منہ بنایا۔

''ہاں! ہم اب اپنا کام شروع کرتے ہیں، کیونکہ آج رات ہی کو روانہ ہونا ہے۔''

''تم نے یہ نہیں بتایا جمشید کہ جانا کہاں ہے؟''

''منگوری گڑھ۔''

''منگوری گڑھ؟'' ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''ہاں! منگوری گڑھ یہاں سے بہت زیادہ فاصلے پر ہے... بس یوں سمجھ لیں... ہمارے ملک کے آخری سرے پر ہے... مشرقی سمت میں۔''

''اپنی ملازمت کے دوران میں اس کا نام سن چکا ہوں جمشید... لیکن وہاں جانے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا... ملازمت کے سلسلے میں بھی میرا وہاں جانا نہیں ہوا۔'' خان رحمان بولے۔

''کوئی بات نہیں... اللہ نے چاہا تو ہم کل شام تک وہاں پہنچ جائیں گے۔''

''گویا صبح سویرے سے لے کر شام تک کا سفر ہے... تب ہم جہاز سے کیوں نہ چلیں۔''

''جہاز سے جانے کی صورت میں وہاں ہمارے پاس اپنی گاڑی نہیں ہوگی... کرائے کی لینا پڑے گی... جب کہ وہاں ہمیں اپنی گاڑی کی ضرورت محسوس ہوگی۔''

''اچھی بات ہے... تم اپنا کام شروع کرو...'' پروفیسر بولے۔

اب انسپکٹر جمشید نے خان رحمان کے چہرے پر کام شروع کیا... دو گھنٹے بعد وہ ان کا حلیہ تبدیل کرنے کے بعد شاہی لباس بھی پہنا چکے تھے... اور اب وہ سو فیصد بادشاہ نظر آ رہے تھے۔

''ارے باپ رے... اب... اب کیا ہوگا۔'' پروفیسر داؤد گھبرا گئے۔

"کیا ہوا انکل؟" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ تو سچ مچ کے بادشاہ نظر آنے لگے... میگوری گڑھ میں ہر کوئی انہیں گھورے گا اور ساتھ میں ہم سب بھی لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جائیں گے... کیا اس طرح ہم مشکلات کا شکار نہیں ہو جائیں گے جمشید۔"

"نہیں... ان شاء اللہ کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہوگا... ہم اس طرح آسانی سے اپنا کام شروع کر سکیں گے... دراصل ہمیں ہوٹل میں پورا ایک پورشن لینا ہوگا... عام آدمیوں کی حیثیت سے جاتے تو سب لوگ اس بات پر حیران ہوتے کہ آخر ہوٹل کا اتنا بڑا حصہ لینے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تب پھر اتنا بڑا حصہ لینے کی ضرورت کیا ہے جمشید۔" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"اس کی ضرورت ہے... لیکن میں اس وقت نہیں بتا سکتا۔"

"اور... جمشید... اس حصے کا کرایہ کون ادا کرے گا..."

"تم!" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"ارے باپ رے۔" وہ بری طرح گھبرا گئے۔

"خیال رہے خان رحمان... اب تم بادشاہ ہو... اور بادشاہ لوگ ایسی باتوں پر گھبرا کر ارے باپ رے نہیں کہا کرتے۔" انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"تب پھر جمشید... بادشاہ لوگ کیسی باتوں پر ارے باپ رے کہتے ہیں۔" انہوں نے معصومانہ انداز میں پوچھا اور سب ہنس پڑے۔

اب انہوں نے پروفیسر داؤد کے چہرے پر میک اپ کیا، ایک گھنٹے بعد وہ سچ مچ کے وزیر نظر آ رہے تھے...

"بھئی واہ جمشید... تم نے تو کمال کر دیا۔" انہوں نے خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اب آپ کو کمال دکھانا ہے... میرا مطلب ہے... پوری طرح وزیر بن کر دکھانا ہے۔"

"میں اپنی پوری کوشش کروں گا جمشید... تم فکر نہ کرو۔"

ان کے بعد محمود اور فاروق کو شہزادہ بنانے کی باری آئی... پھر انہوں نے فرزانہ کو باپردہ شہزادی بنایا... وہ پردے میں بھی باقاعدہ شہزادی نظر آئی۔

اب ان کی اپنی باری آئی... تھوڑی دیر بعد وہ بہت چاق و چوبند قسم کے باڈی گارڈ نظر آ رہے تھے... انہیں دیکھ کر وہ اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکے...

"اب ہمیں اپنے اپنے نام جان لینے چاہئیں... خان رحمان اب شاہ امان خان ہیں... خان رحمان... نام یاد رہے گا۔" وہ بولے۔

"یہ بھی کوئی بھولنے کی بات ہے۔" خان رحمان گرج دار آواز میں بولے۔

"خوب خوب... لہجہ تو بادشاہوں والا ہی ہے۔"

"اور تمہارے وزیر باتدبیر کا نام کمال فوزی ہے..."

"سنا آپ نے وزیر صاحب۔" خان رحمان بولے۔

"جی بادشاہ سلامت سنا۔"

"بھئی واہ..." ان تینوں کے منہ سے نکلا۔

"شہزادہ عالم ہے محمود کا نام اور فاروق کا نام ہے شہزادہ فوزی۔"

''میرا نام تو بہت عجیب سا لگتا ہے...'' فاروق نے منہ بنایا۔

''کوئی بات نہیں... اسی سے گزارا کرنا ہوگا... کیونکہ کاغذات پہلے ہی تیار کرا لیے گئے ہیں۔''

''اور ان کاغذات پر تصاویر بھی تو ہوں گی... تو کیا ان حلیوں والی تصاویر پہلے ہی بنائی گئی ہیں۔''

''نہیں... تصاویر اب لگیں گی... تم اس بارے میں فکر نہ کرو... میرے پاس اصل کاغذات اور مہریں وغیرہ موجود ہیں۔''

''رہ گئی بے چاری فرزانہ... اب اس کا نام بھی ہو جائے۔''

''فرزانہ شہزادی شمائلہ ہے۔''

''وہاں مسئلہ کیا ہے جمشید... تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا۔''

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی... فون اکرام کا تھا، وہ کہہ رہا تھا:

''سر اس شخص کا تعلق مینگوری گروہ سے ہے۔''

''کیا!!!'' انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔

''کیا ہوا ابا جان۔''

''ہمارے دروازے پر پہنچ کر موت کا شکار ہونے والے کا تعلق مینگوری گروہ سے ہے۔''

''نن... نہیں۔'' ان کے منہ سے مارے حیرت اور خوف کے نکلا۔

''ایک منٹ... ہاں اکرام یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔''

''اس شخص کا حلیہ ٹی وی پر نشر کیا گیا ہے... اعلان کیا گیا ہے کہ اس حلیے کا شخص جیل توڑ کر بھاگ نکلا ہے... اس کے بارے میں اطلاع دینے

والے کو 25 ہزار روپے کا انعام دیا جائے گا... یہ اعلان مینگوری گروہ کی انتظامیہ کی طرف سے ہے۔''

''او اچھا... اعلان کرنے والے کا نام اور فون نمبر بتا دو تاکہ ہم اس سے پچیس ہزار روپے تو حاصل کر سکیں۔''

وہ ہنس پڑے... ادھر اکرام نے کہا:

''اس کا نام ہے راجہ برلاس... فون نمبر 54545555 ہے۔

''اور مقتول کا نام؟'' انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

''مقتول کا نام راجہ کامرانی ہے۔''

''شکریہ!... یہ بہت قیمتی معلومات ہیں... ہمارے کام آئیں گی...''

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔ باقی لوگ بھی یہ گفتگو سن چکے تھے۔

''سوال یہ ہے ابا جان کہ وہ جیل سے نکل کر سیدھا ہمارے ہاں کیوں آیا...'' فرزانہ بولی۔

''اور دوسرا سوال یہ کہ وہ کون تھا... جو اس کے پیچھے چلا آیا... اگر وہ قانون کا کوئی محافظ ہوتا تو اسے فرار ہونے کی ضرورت نہیں تھی، وہ کہہ سکتا تھا کہ وہ اس مفرور کا مینگوری گروہ سے تعاقب کر رہا ہے... اور یہ چونکہ خطرناک مجرم ہے... اس لیے اسے ختم کر دیا... اس کا مطلب ہے... تعاقب کرنے والا شخص کوئی سرکاری آدمی نہیں تھا... پھر آخر وہ کون تھا؟''

''ہم وہاں جا ہی رہے ہیں... لہٰذا اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو جائے گا...''

''تب پھر ہمیں کچھ دیر کے لیے سو جانا چاہیے... تاکہ روانگی کے وقت ہم تازہ دم ہوں۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور لیٹ گئے... صبح کی نماز پڑھتے ہی وہ سفر پر روانہ ہو گئے... سفر کے لیے انہوں نے خان رحمان کی بڑی گاڑی لی تھی... اس کی نمبر پلیٹ اور رنگ وغیرہ میں پہلے ہی تبدیلی کی جا چکی تھی... اس گاڑی کے مطابق جو کاغذات موجود تھے، ان کو بھی کوئی نقلی ثابت نہیں کر سکتا تھا... اس لیے کہ وہ واقعی اصلی تھے... گاڑی کے ڈرائیور کے طور پر انہوں نے خفیہ فورس کے ایک کارکن کو ساتھ لیا تھا۔

''ہوشیار... خبردار۔'' شہر سے باہر نکلتے ہی فاروق بول اٹھا۔

''کیا ہوا بھئی...'' خان رحمان نے چونک کر کہا۔

''میرا یہ ہوشیار خبردار بلاوجہ نہیں...'' فاروق مسکرایا۔

''چلو مان لیا... بلاوجہ نہیں... وجہ تو بتا دو نا۔''

''ہم جب بھی کسی ایسی مہم پر نکلتے ہیں... راستے میں بھی کسی کیس سے ملاقات ہو جاتی ہے۔''

''لیکن اگر یہ بات ہماری قسمت میں لکھی ہے... تو ہمارے ہوشیار اور خبردار ہونے سے کیا فرق پڑے گا۔'' محمود نے منہ بنایا۔

''اور اگر ہم ہوشیار خبردار ہو جاتے ہیں تو ہمارا کیا نقصان ہو جائے گا۔'' فاروق نے اسے گھورا۔

باقی لوگ مسکرا دیے ان کا سفر جاری رہا... 5 گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد وہ محسوس کر رہے تھے کہ آج کا سفر بغیر کسی رکاوٹ کے پورا ہو جائے گا۔

''سر... آگے کوئی رکاوٹ ہے... ایسے میں خفیہ کارکن کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

انہوں نے سڑک پر دور تک دیکھا... کافی فاصلے پر دو باوردی آدمی کھڑے نظر آ رہے... وہ انہیں رکنے کا اشارہ کر رہے تھے۔

''لگتا ہے... کیس شروع ہونے والا ہے۔'' فاروق مسکرایا۔

''یہ ضروری نہیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

آخر وہ ان کے نزدیک پہنچ گئے۔ کارکن نے رفتار پہلے ہی آہستہ کر لی تھی۔ نزدیک پہنچ کر بریک لگا دیے... پھر اس نے سر باہر نکال کر پوچھا:

''ہاں جناب! کیا بات ہے؟''

''ایک پہاڑی تودہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی سڑک پر آ گرا ہے... سڑک بالکل بند ہو گئی ہے... صبح سے پہلے رکاوٹ دور نہیں ہو سکے گی... لہٰذا...'' ان میں سے ایک بتاتے بتاتے رک گیا۔

''لہٰذا کیا؟''

''یہاں سے دس کلو میٹر پیچھے ایک ڈاک بنگلہ ہے... آپ رات وہاں ٹھہر سکتے ہیں... بشرطیکہ ڈاک بنگلے کا مالک آپ کو ٹھہرنے کی اجازت دے دے... ویسے وہ رات گزارنے کے اچھے بھلے پیسے وصول کرتا ہے۔''

''کوئی اور راستہ نہیں... یعنی ہم یہاں سے نیچے اتر جائیں اور جنگل میں سے ہوتے ہوئے سڑک تک یہ حصہ پار کر جائیں۔'' کارکن نے کہا۔

''جی نہیں... دونوں طرف کھائیاں ہی کھائیاں ہیں۔''

''تو وہ یہاں سے کتنے فاصلے پر گرا ہے۔''

"کم از کم ایک کلومیٹر کے فاصلے پر۔"

"وہاں پہنچ کر گاڑی واپس موڑنے کی گنجائش ہے... دونوں طرف کھائیاں ہیں نا۔"

"گاڑی موڑنا خطرناک ہو سکتا ہے... کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے... ہاں یہاں... گاڑی ایک طرف روک کر آپ ذرا تودے کو دیکھ آئیں۔"

"جی اچھا۔"

"کیا مطلب... یعنی آپ کو میری بات پر یقین نہیں آیا۔" ایک نے منہ بنایا۔

"یقین آنے نہ آنے کی بات نہیں ہے..." کارکن نے مسکرا کر کہا۔

"تب پھر کیا بات ہے۔"

"میں بتاتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"چلیے! آپ بتائیں۔"

"دراصل ہمارے لیے ایک رات کے لیے ٹھہرنا بہت مشکل ہے... اس لیے ہم چاہیں گے... کسی نہ کسی طرح نکل جائیں... بس ڈرائیور صاحب... یہی اندازہ لگانے جائیں گے۔"

"ضرور جائیں... اور اندازہ لگائیں... ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے... ہماری طرف سے تو آپ گاڑی بھی آگے لے جائیں... ہم تو یہاں لوگوں کی بھلائی کے لیے کھڑے ہیں... یہاں سے گاڑی واپس موڑ لے جانا بہت آسان کام ہے۔"

"اس صورت میں آپ ڈاک بنگلے کے پاس کیوں نہیں کھڑے

ہوتے۔" انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"ہمیں ہمارے افسر نے جہاں کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے، ہم وہاں کھڑے ہیں... سمجھے جناب!" ان میں سے ایک نے برا سا منہ بنایا۔

آخر خفیہ کارکن گاڑی سے اتر کر پیدل آگے چلا گیا... پندرہ منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی... گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے کہا:

"سڑک واقعی بالکل بند ہے سر۔"

"آ گیا یقین آپ کو۔" ان میں سے ایک نے طنزیہ کہا۔

"ہاں آ گیا... آپ کا شکریہ... ہم ڈاک بنگلے جا رہے ہیں... لیکن وہاں بھلا کتنے آدمیوں کی جگہ ہوگی... یہاں تو صبح تک نہ جانے کتنی گاڑیاں آ جائیں گی۔"

"جی نہیں۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"جی نہیں... کیا مطلب؟"

"میگوری گڑھ میں جاتے ہوئے اب لوگ گھبرانے لگے ہیں... پہلے وہ ایک تفریحی مقام گنا جاتا تھا، لیکن کچھ مدت سے وہاں سیر و تفریح کے لیے آنے والے بہت سے آدمی غائب ہو گئے تو لوگوں نے آنا چھوڑ دیا... اب تو کسی کو کوئی سرکاری یا کاروباری کام ہوتا ہے تو تبھی لوگ جاتے ہیں..."

"جو لوگ گم ہوئے... کیا وہ ملے نہیں پھر۔"

"نہیں... ان کا کوئی سراغ نہیں ملا... اور تو اور..." وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"اور تو اور کیا؟"

"اور تو اور... جن سرکاری افسروں کو ان کی گم شدگی کا سراغ لگانے

کے لیے بھیجا گیا... وہ بھی غائب ہو گئے۔"

"ہوں..." انہوں نے لمبا سانس لیا۔

"میرا تو مشورہ ہے... آپ لوگ ادھر نہ جائیں... درمیان میں بہت سے تفریحی مقامات ہیں... وہاں چلے جائیں۔"

"مجبوری ہے... ہمارا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔"

"آپ کی مرضی۔"

انہوں نے گاڑی واپس موڑی اور ڈاک بنگلے کی طرف چل پڑے۔

"کیا خیال ہے جمشید۔" خان رحمان بولے۔

"فرزانہ بتائے گی..."

"تمہارا مطلب ہے... تمہارا خیال فرزانہ بتائے گی۔" پروفیسر داؤد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں... ہم اس کا خیال جاننا چاہتے ہیں۔"

"سڑک پر تو وہ گرایا گیا ہے... تاکہ ہم رات کو ڈاک بنگلے میں ٹھہرنے پر مجبور ہو جائیں... اور وہ وار کر سکیں... اس کا مطلب ہے... کچھ نامعلوم لوگ نہیں چاہتے ہیں کہ ہم میگوری گڑھ جائیں... اسی لیے اس راجہ کامرانی کو قتل کیا گیا کہ وہ ہمیں کچھ نہ بتا سکے... یہ اور بات ہے کہ اس کی موت کے بعد بھی ہم نے یہ جان لیا کہ وہ میگوری گڑھ سے آیا تھا... اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ آپ پہلے ہی میگوری گڑھ کا ارادہ کر چکے تھے..."

"ہوں! میرا بھی یہی خیال ہے اور اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ ڈاک بنگلے میں ہمارے لیے جال بچھایا جا چکا ہے..."

"تب تو جمشید ہمیں ڈاک بنگلے سے کہیں آگے نکل جانا چاہیے۔" پروفیسر داؤد نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"یوں مزہ نہیں آئے گا... ہم یہ رات ڈاک بنگلے ہی میں گزاریں گے۔"

"ارے باپ رے۔" ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

انسپکٹر جمشید اور بانکے یہاں مسکرا دیے... پھر آخر وہ ڈاک بنگلے کے سامنے پہنچ گئے... یہ کافی طویل عمارت تھی... لگتا تھا، اس میں بہت سے کمرے ہیں۔

گاڑی مناسب جگہ پر کھڑی کر کے وہ عمارت میں داخل ہوئے... بائیں طرف کاؤنٹر تھا... اس پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر انسپکٹر جمشید حیرت زدہ رہ گئے۔

☆☆☆☆☆

خطرہ

''ہمیں رات گزارنے کے لیے جگہ چاہیے...'' پروفیسر داؤد نے باوقار لہجے میں کہا۔

''صرف ایک کمرہ خالی رہ گیا ہے... کیا آپ ایک کمرے میں گزارا کرلیں گے... میں دیکھ رہا ہوں... آپ سات افراد ہیں۔''

''آپ فکر نہ کریں... ہم گزارا کرلیں گے... کیا یہ کوئی پرائیوٹ ڈاک بنگلہ ہے۔''

''جی ہاں! یہاں نزدیک ہی تفریحی مقام ہے... دارالحکومت سے جو لوگ اس تفریحی مقام کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں، وہ یہاں رات کو ٹھہرتے ہیں... کیونکہ تمام دن سیر و تفریح کرنے کے بعد ان میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ واپس جاسکیں... لہٰذا وہ رات یہاں گزار کر صبح واپس جاتے ہیں... یا پھر جو لوگ کئی دنوں کے لیے آتے ہیں۔ ان کے لیے تو یہ ڈاک بنگلہ بہت اہم ہے۔''

''ہوں ٹھیک ہے... آپ ہمیں وہ کمرہ ہی دے دیں۔''

''ٹھیک ہے... آپ کو کمرہ ایک رات کے لیے چاہیے یا زیادہ وقت

کے لیے۔''

''صرف ایک رات کے لیے... صبح ہم چلے جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے... آپ ہمیں بیس ہزار روپے دے دیں۔''

''سیکریٹری!'' خان رحمان نے بارعب انداز میں کہا۔

''جہاں پناہ۔''

''بیس ہزار روپے دے دیں۔''

''جہاں پناہ... ایک کمرے کا بیس...'' پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہنا چاہا۔

''خاموش!'' خان رحمان شاہانہ انداز میں گرجے۔

''جہاں پناہ! معافی چاہتا ہوں...''

یہ کہہ کر انھوں نے جیب سے شاہانہ طرز کا بٹوہ نکال کر اس میں سے بیس نوٹ گن دیے... اس کے ساتھ ہی کاؤنٹر پر بیٹھے شخص نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا... بیرے قسم کا ایک آدمی تیر کی طرح ان کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔

''انہیں کمرہ نمبر 19 میں لے جاؤ... یہ رہیں چابیاں۔''

''اوکے سر! آئیے سر۔''

بیرا انہیں کمرہ نمبر 19 میں لے آیا... یہ کافی بڑا کمرہ تھا... وہ اس میں آرام سے رات گزار سکتے تھے... جونہی بیرا باہر گیا... انسپکٹر جمشید نے دروازہ بند کر دیا اور سرگوشی میں بولے:

''خبردار! ہم خطرے میں ہیں۔''

''جی... کیا مطلب؟'' وہ ایک ساتھ بولے، لیکن آواز سرگوشی سے اونچی نہیں تھی۔

"یہ ڈاک بنگلہ ہمارے لیے موت کا پیغام ہے... اور ایک طرح سے یہ میگوری گروہ کا ابتدائی دفتر ہے۔"

"لیکن جمشید! تم یہ بات اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو۔"

"میں تو کئی اور باتیں اس سے بھی زیادہ یقین سے کہہ سکتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"پہلے آپ اس ایک بات کے بارے میں تو بتائیں نا... آپ کیسے کہہ سکتے ہیں، ہم خطرے میں ہیں جب کہ ہم نے ایسی کوئی بات محسوس نہیں کی۔" محمود جلدی جلدی کہہ گیا۔

"کاؤنٹر پر جو شخص موجود ہے... میں نے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا... اگرچہ اس نے مجھے نہیں پہچانا... اگر میں میک اپ میں نہ ہوتا تو وہ بھی ضرور پہچان لیتا... ویسے یہ اچھا ہی ہوا کہ ہم یہاں آ گئے..."

"آپ کی ایک بات بھی پلے نہیں پڑی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

انسپکٹر جمشید مسکرا دیے، پھر بولے:

"اس شخص کا نام سام ہے... بہت چلتا پرزہ ہے... جرائم کی دنیا کا چھپا رستم ہے... کبھی سامنے آ کر جرم نہیں کرتا... خود کو سات پردوں میں چھپا کر جرم کرتا ہے... تاکہ یہ کسی طرح بھی پکڑا نہ جائے... قانون کے محافظ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ حاصل کر سکیں... شک کرتے ہیں تو کرتے رہیں، لیکن پکڑ نہ سکیں اور یہی اس کی کامیابی ہے... لیکن میں حیران ہوں... یہاں اس ڈاک بنگلے میں اس کا کیا کام..."

"لیکن آپ اسے کیسے جانتے ہیں..."

"دو تین معاملات ایسے پیش آ چکے ہیں کہ میری تفتیش اس تک پہنچی۔

لیکن کوئی ثبوت نہ ہونے کی بنا پر میں اسے گرفتار نہ کر سکا... اور یہ ہر بار صاف بچ گیا... اب سوال یہ ہے کہ یہ یہاں کیا کر رہا ہے... اس قسم کا کام تو اس کے کرنے کا نہیں ہے... اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ یہاں رہ کر کوئی گہرا چکر چلا رہا ہے... اور اب تو میں یہ بات بھی یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس سڑک کو جان بوجھ کر بند کیا جاتا ہے تاکہ لوگ اس ڈاک بنگلے میں ٹھہرنے پر مجبور ہوں... اور یہ دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ سکیں... لیکن اس کے ساتھ کچھ اور بھی چکر ہے... اس کا اندازہ ہمیں بہت جلد ہونے والا ہے..."

ایسے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں پوچھا:

"کون؟"

"بیرا ہوں سر... چائے حاضر ہے۔"

"لیکن ہم نے تو چائے کا آرڈر نہیں دیا۔"

"سر... آپ سے جو کرایہ لیا گیا ہے، اس میں چائے، کھانا اور ناشتا اور ہر چیز شامل ہے..."

"اچھی بات ہے۔"

انھوں نے باقی ساتھیوں کو دروازے کے دائیں اور بائیں دیوار سے لگ کر کھڑے ہونے کا اشارہ دیا... پھر خود دروازہ کھولتے ہوئے ایک طرف ہٹ گئے۔

"ارے ارے یہ کیا... کمرہ تو خالی ہے۔" بیرے کی حیرت زدہ آواز سنائی دی... ساتھ ہی وہ اندر آ گیا... اس کے ہاتھ میں چائے کی بڑی سی ٹرے تھی۔ اس پر چائے کے علاوہ بہت سی دوسری چیزیں بھی تھیں اور ان سے

بہت خوش گوار خوشبو اٹھ رہی تھی... ان کی بھوک چمک اٹھی...

"ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ اپنی خبر نہیں آتی۔" فاروق نے کہا اور آگے آ گیا... وہ سب میز کے نزدیک ہو گئے۔ بیرا حیرت زدہ تھا۔

"یہ... یہ کیا بات... آپ دیوار سے کیوں جا لگے تھے۔"

"ہمیں خوف محسوس ہو رہا ہے... پتا نہیں کیوں... کیا یہاں ہمیں کسی قسم کا خطرہ ہے..." انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

"نہیں جناب! یہ تو بہت پرسکون جگہ ہے... یہاں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں... نہ چوروں کا نہ ڈاکوؤں کا..."

"شاید ہمیں وہم ہو گیا ہے۔" خان رحمان بولے۔

وہ مسکرا دیا اور باہر نکل گیا... انہوں نے دروازہ بند کر لیا... ایسے میں فاروق نے کھانے کی چیزوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"خبردار!" انسپکٹر جمشید نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا... ساتھ ہی اس کا بازو پکڑ کر دبا دیا... وہ سمجھ گیا کہ انہیں اس میں سے کچھ نہیں کھانا ہے۔

"اس میں کوئی بے ہوش کرنے والی چیز ہو سکتی ہے۔" انہوں نے بہت ہی آہستہ آواز میں کہا۔

انہوں نے کھانے کی چیزیں ایک شاپر میں ڈال کر میز کے نیچے چھپا دیں۔

"اگر اس میں کوئی بے ہوش کرنے والی دوا ہے... تو یہ لوگ جلد دیکھنے کے لیے آئیں گے... لہٰذا ہمیں لیٹ جانا چاہیے۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن جمشید... اس طرح تو وہ ہم سب کو باندھ لیں گے۔"

"کوئی بات نہیں... ہمیں یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا چاہتے

ہیں..."

"او کے... جیسے تمہاری مرضی۔"

وہ اس طرح لیٹ گئے... جیسے کہ بے ہوش ہو کر ادھر ادھر گر گئے ہوں۔ ایک گھنٹے بعد دروازے میں چابی لگنے کی آواز سنائی دی... اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان کے خلاف کوئی چکر چلنے والا ہے... ورنہ وہ جو کوئی بھی تھا دروازے پر دستک دیتا، پھر دروازہ کھلا اور ایک آواز ابھری:

"سب بے ہوش پڑے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، دروازہ اندر سے بند کر لو... تاکہ گزرنے والوں کی اندر نظر نہ پڑے۔"

انہوں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی... قدرے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ آنے والوں میں کاؤنٹر مین بھی تھا... اور اس کے ساتھ چار آدمی اور تھے... ان میں سے ایک ہاتھ میں پستول تھا...

"باندھ لو انہیں اور لے چلو۔"

رسیوں سے ان کے ہاتھ پیر باندھے جانے لگے... پھر اس کمرے میں ایک خفیہ دروازہ کھلا۔ اب انہیں ٹانگوں سے پکڑ کر گھسیٹا جانے لگا۔ فرش چکنا اور ڈھلوان تھا، اس لیے انہیں تکلیف نہیں ہوئی۔ جلد ہی انہوں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی... پھر کاؤنٹر مین نے کہا۔

"انہیں ہوش میں لاؤ ڈاکٹر۔"

"بہت بہتر سر!"

انہیں کوئی دوا سنگھائی گئی... انہوں نے جلدی جلدی آنکھیں کھول دیں۔

"خوب خوب... تو تم ہوش میں آ گئے... تم لوگوں کے پاس بنکوں میں کتنی دولت ہوگی بھلا۔" کاؤنٹر مین ہنسا۔

"آپ کو کتنی چاہیے... ہم خود کو بچانے کے لیے منہ مانگی دولت دے سکتے ہیں۔" پروفیسر بولے۔

"واہ! اس کا مطلب ہے... بادشاہ سلامت بہت مال دار ہیں... کیوں نہ ہو... بادشاہ جو ہیں... دو چار کروڑ مل سکیں گے۔" اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں... ہم تو اس سے زیادہ دے سکتے ہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"تب پھر چیکوں پر دستخط کر دیں۔"

"پہلے ہمیں رہا کریں..."

"رہا بعد میں کریں گے... پہلے کنگال کریں گے۔"

"سیکرٹری... چیکوں پر دستخط کر دیں..." خان رحمان شاہانہ انداز میں بولے۔

"کیسے کر دوں عالم پناہ... میرے ہاتھ بندھے ہیں۔"

"اوہ ہاں... آپ بتائیں... اس حالت میں یہ دستخط کس طرح کر سکتے ہیں۔"

"کیا آپ کے چیکوں پر دستخط ان کے چلتے ہیں۔"

"بالکل انہی کے چلتے ہیں... بادشاہ اپنے کام اپنے ہاتھوں سے نہیں کرتے۔"

"اچھی بات ہے... تو ہم صرف ان کے ہاتھ کھول دیتے ہیں۔"

"لیکن جناب! پہلے یہ تو بتائیں... اس بات کی گارنٹی کیا ہے کہ آپ دولت حاصل کر کے ہمیں رہا کر دیں گے۔"

"ہمیں غرض دولت سے ہے... تم لوگوں سے نہیں۔"

"اچھی بات ہے... ہمیں دولت سے غرض نہیں... زندگی سے غرض ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ان صاحب کے ہاتھ کھول دو۔"

"پیر بھی۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"کیوں... پیر کیوں... کیا آپ پیروں سے لکھتے ہیں۔"

"نہیں... لیکن میں اس کے بغیر دستخط نہیں کر سکوں گا۔"

"کیا مطلب؟" پستول والا چونکا۔

"میرے دستخط کرنے کا ایک خاص انداز ہے... جب تک میں اس طرح نہ بیٹھوں، دستخط درست نہیں ہو سکیں گے اور بنک والے چیک کیش نہیں کریں گے... یہ بات میں نے پہلے ہی بتا دی... آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔"

"نہیں! تجربہ کر کے کیا کریں گے... ایک اکیلے سے ہمیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے... جب کہ ہمارے پاس پستول بھی ہے... شیرو! کھول دو انہیں۔" کاؤنٹر مین نے کہا۔

"بہت اچھا استاد۔"

ان میں سے ایک آگے بڑھا... اس نے پنڈلی میں اڑسا ہوا خنجر نکالا اور ان کی رسیاں کاٹنے لگا۔ پہلے اس نے ان کے پاؤں کھولے، پھر ہاتھوں کی باری آئی... جونہی ان کے ہاتھ آزاد ہوئے، انہوں نے شیرو کو پستول والے پر اچھال دیا... وہ اس پر گرا، ادھر اس کی انگلی ٹریگر پر دب گئی... گولی

ڈھیر ہو گئی... اس کے منہ سے دل دوز چیخ نکل گئی... اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید پستول والے پر چھلانگ لگاتے ہوئے اس سے پستول چھین چکے تھے... اور اس کے ساتھ وہ چنگھاڑے:

''ہاتھ اوپر اٹھا دو دوستو! بہت دولت سمیٹ لی تم نے... اب جیل میں جا کر دولت حاصل کرنے کے منصوبے بنانا۔''

وہ دھک سے رہ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آ سکا کہ پل بھر میں یہ ہو کیا گیا... تاہم ابھی تک انہوں نے ہاتھ نہیں اٹھائے تھے... یہ دیکھ کر انہوں نے ان میں سے ایک کے کان کی لو کا نشانہ لیا اور بولے:

''پہلے تم ذرا میرے نشانے کا کمال دیکھ لو۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے کان کی لو اڑ گئی اور خون دھار کی صورت میں اس کے کندھے کو رنگین کرنے لگا۔

ایسے میں ایک سرد آواز ابھری...

''بس جناب! آپ پستول گرا دیں... بہت ہو چکی نشانہ بازی۔''

☆☆☆☆☆

کایا پلٹ

انہوں نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا... لیکن اس طرف انہیں کوئی نظر نہ آیا، البتہ دیوار میں چند سوراخ ضرور تھے... آواز ان سوراخوں سے آئی تھی... انہی میں سے ایک سوراخ میں سے رائفل کی نال جھانک رہی تھی... انہوں نے اپنا رخ اس طرف کر لیا۔ اسی وقت پھر کہا گیا:

''تم نے ہاتھ اوپر نہیں اٹھایا... گویا ہمیں فائر کرنا ہو گا... تمہاری مرضی۔''

انسپکٹر جمشید ان الفاظ کے ساتھ ہی فرش پر لڑھک کر اسی دیوار سے جا لگے جس میں سوراخ نظر آئے تھے... اب اس رائفل سے انہیں نشانہ نہیں بنایا جا سکتا تھا... لیکن ان کے ساتھی بہر حال خطرے میں تھے، اس لیے ان کا ہاتھ حرکت میں آیا اور انہوں نے ٹریگر دبا دیا... پستول کی گولی رائفل کی نال سے ٹکرائی اور نال مڑ گئی۔

''خوب خوب! نشانہ خوب ہے تمہارا... لیکن میرے دوست کوئی فائدہ نہیں...'' یہ الفاظ ہنس کر کہے گئے۔

''کیوں بھلا... فائدہ کیوں نہیں۔''

''اس کمرے کی تو ہر دیوار میں سوراخ ہیں... یہاں تک کہ چھت میں بھی سوراخ ہیں... ہم ان سوراخوں کو ظاہر کیے دیتے ہیں... اس کے بعد تم اپنا فن آزمانا... ہم اپنا کام کریں گے۔''

''ضرور... ضرور۔'' انسپکٹر جمشید خوش دلی سے مسکرائے۔ ان کے جملے کے ساتھ ہی سوراخ نظر آنے لگے اور چار دیواروں سے اور ایک چھت سے رائفلیں جھانکنے لگیں... انسپکٹر جمشید نے پلک جھپکتے ہی پانچ فائر کر دیے... پانچوں رائفلوں کی نالیں مڑ گئیں...

''اب کیا پروگرام ہے دوستو۔'' وہ ہنسے۔

فوراً ہی ایک سوراخ میں سے فائر کیا گیا اور ان کے ہاتھ سے پستول نکل گیا... اس مرتبہ انہوں نے رائفل کی نال باہر نہیں نکالی تھی...

''بس اب آپ ہاتھ اوپر اٹھا دیں... اس سے زیادہ رعایت آپ کو نہیں دی جا سکتی۔''

انہوں نے ہاتھ اٹھا دیے اور وہ کر بھی کیا سکتے تھے... اب باقی لوگ بھی اندر آ گئے...

''ان صاحب کو پھر سے باندھ دو... اب ہم دستخط اور طرح کرائیں گے۔''

انہیں باندھ لیا گیا... پھر کاؤنٹر مین نے اپنے ساتھیوں کی طرف مڑتے ہوئے کہا:

''ان کے سامان میں سے چیک بک نکال لاؤ... ایک سے زائد ہوں تو سب لے آنا۔''

''بہت اچھا جناب۔''

جلد ہی وہاں چیک بکیں آ گئیں...

''ان سب پر دستخط کر دیں... اسی میں بہتری ہے۔''

''دستخط کے بعد کیا ہوگا۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''ہم تم لوگوں کو رہا کر دیں گے۔''

''کیا آپ ہمیں عقل سے پیدل سمجھتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''یہ خیال کیسے آیا؟''

''ظاہر ہے... یہ جگہ تم لوگوں کا اڈا ہے... اگر تم نے ہمیں رہا کر دیا تو ہم پولیس کو لے کر یہاں آئیں گے... تم ہمیں رہا کر کے اپنا اڈا کیوں گنوانے لگے۔''

''اس کا جواب ہمارے پاس ہے۔''

''اور وہ کیا؟''

''اب ہم یہ اڈا چھوڑ رہے ہیں... تم لوگوں سے کچھ کم دولت ہاتھ نہیں آئے گی... آخر شاہی خاندان ہو...'' وہ بولا۔

''لیکن اس بات کی گارنٹی کیا ہے؟''

''کیا مطلب؟''

''یہ کہ دستخط کرانے کے بعد تم ہم لوگوں کو رہا کر دو گے۔''

''گارنٹی کوئی نہیں... دولت دے دو اور ہم پر اعتبار کر لو... ایک ایک دستخط بیلنس معلوم کرنے کے لیے سادہ کاغذ پر کر دو... تاکہ ہم بینکوں سے بیلنس معلوم کر لیں... پھر چیکوں پر رقم لکھیں... رہ گئے تم... ہم تمہیں رہا کر دیں گے... لیکن اگر دستخط نہیں کیے تو تمہیں خون میں نہلا دیں گے اور اسی

طرح چھوڑ کر چلے جائیں گے... کیونکہ ہم واقعی یہاں سے جا رہے ہیں۔''

''اچھی بات ہے... ہم دستخط کیے دیتے ہیں... لیکن یہ کیسے ہوگا... مجھے تو ایک بار پھر باندھ دیا گیا ہے۔''

''ہم تمہارا صرف ایک ہاتھ کھول رہے ہیں... باقی جسم رسیوں سے بندھا رہے گا۔''

''اس طرح دستخط صحیح نہیں ہوں گے... بینک ملازمین شک کریں گے اور تم پکڑے جاؤ گے... میرے دستخط صحیح ہوں گے، تب بھی بینک والے شک کریں گے... کیونکہ؟''

''کیونکہ کیا...'' کئی آوازیں ابھریں۔

''ہماری طرف سے انھیں تحریری ہدایات دی گئی ہیں کہ زیادہ بڑی رقموں کے چیک کوئی لے کر آئے تو پہلے ہم سے پوچھ لیا جائے... لہٰذا آپ لوگ ناکام ہو جائیں ہیں... اس سارے معاملے کا ایک اور حل ہے۔''

''اور وہ کیا؟''

''ہیرے۔'' وہ بولے۔

''ہیرے... کیا مطلب؟'' وہ چلا اٹھے۔

''عالی جاہ کے پاس بہت ہی خاص قسم کے انمول ہیرے ہیں... وہ بینکوں میں موجود دولت سے کئی گنا بڑھ کر ہیں... ہم تمہیں وہ ہیرے دے دیتے ہیں...''

''لاؤ... لاؤ... لاؤ۔'' وہ چلائے۔

''ان کے لیے تو پھر ہمیں دار الحکومت جانا پڑے گا۔''

''تم میں سے ایک جا سکتا ہے... ہمارا آدمی اس کے ساتھ جائے

گا... وہ سائے کی طرح اس کے ساتھ رہے گا... اگر کوئی چال چلنے کی کوشش کی گئی تو ہم باقی لوگوں کو گولی مار دیں گے۔''

''ٹھیک ہے... مجھے ہی جانا ہوگا...'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''گورے... انہیں کھول دو۔''

''دیکھ لیں سر... یہ صاحب پہلے کافی خطرناک ثابت ہو چکے ہیں۔''

''ان کے ساتھیوں کو نشانے پر لے لو... اگر یہ گڑبڑ کرنے کی کوشش کریں تو سب پر ایک ساتھ فائر کر دیے جائیں...'' اس نے حکم دیا۔

فوراً ہی ان پر پستول تن گئے...

''میں جا کر ہیرے لے آتا ہوں...'' انسپکٹر جمشید نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

''اچھا ٹھیک ہے... ہم ان ہیروں کا کریں گے بھی کیا... اگر زندگی ہی نہ رہی۔'' خان رحمان بولے۔

سب نے سر ہلا دیے... پھر ان میں سے ایک کے ساتھ انسپکٹر جمشید باہر نکل گئے۔ وہ سب دل ہی دل میں مسکرا دیے... کیونکہ آخر وہ ان کے جال میں آ گئے تھے...

آٹھ گھنٹے بعد انسپکٹر جمشید اور ان کا ساتھی واپس آتے نظر آئے... ان کے ساتھی کے ہاتھ میں ہیروں کا بریف کیس تھا...

''میں ہیرے لے آیا۔ اب میرے ساتھیوں کو رہا کرو۔''

''پاگل ہوئے ہو۔'' کاؤنٹر مین ہنسا۔

''کیا مطلب؟'' وہ بری طرح چونکے۔

''ہم ثبوت نہیں چھوڑا کرتے... تم سب لوگ یہیں رہو گے... چلو

ادھر... اپنے ساتھیوں کے ساتھ... اتنا ہم کر رہے ہیں کہ اپنے ہاتھوں سے تم پر گولیاں نہیں چلا رہے... اس تہہ خانے میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤ... آؤ دوستو۔''

''پہلے ہیرے تو چیک کر لو۔'' ان کے ساتھی نے کہا۔

''اوہ ہاں... کھولو بریف کیس۔''

پھر جونہی بریف کیس کھلا... تہہ خانہ دھوئیں سے بھر گیا... اور وہ سب گرتے چلے گئے... انہیں ہوش آیا تو سب کے سب بندھے نظر آئے... انہیں تہہ خانے سے باہر لایا جا چکا تھا اور ان کے اردگرد پولیس ہی پولیس نظر آ رہی تھی...

''تو وہ سڑک تم لوگ خود بند کرتے تھے... تاکہ اس طرح ڈاک بنگلے میں لا کر لوگوں کو لوٹا جا سکے۔'' انسپکٹر جمشید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا... ڈاک بنگلہ سیل کر دیا گیا۔ سڑک بھی صاف کرا دی گئی تھی... چنانچہ وہ سفر کے لیے تیار ہو گئے... ایسے میں فرزانہ بول اٹھی:

''ابا جان! میں خوف محسوس کر رہی ہوں... مجھے ایک خیال آیا ہے۔''

''اور وہ کیا؟''

''اگر ان لوگوں کا تعلق منگوڑی گڑھ سے ہے تو ان کی گرفتاری کی تفصیلات وہاں پہنچ جائیں گی... اور ہم وہاں جس مہم کے سلسلے میں جا رہے ہیں، وہ کھٹائی میں پڑ سکتا ہے۔''

''اوہ ہاں... اس کا امکان ہے... خیر پہلے ان لوگوں کو ٹٹول لیجئے

ہیں... پھر اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھائیں گے۔''

ان کے ماتحت کا ڈکیٹ مین کو ایک الگ کمرے میں لے آئے:

''اب تم اپنی ساری کہانی سنا دو۔'' انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

''کک... کیا آپ لوگوں کا تعلق پولیس سے ہے... اور آپ نے شاہی لوگوں کے روپ دھار رکھے ہیں۔''

''تم ہم سے سوال نہ کرو، سوالات کے جوابات دو... یہ سب چکر کیا ہے...''

''لوٹنے کا چکر ہے... اور کیا ہوتا۔''

''میں ایسا نہیں سمجھتا۔'' انہوں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''تب پھر آپ کیا سمجھتے ہیں۔''

''ڈاک بنگلے کی عمارت نئی ہے... گویا کچھ ہی مدت پہلے بنایا گیا ہے، سڑک پر اتنا بڑا تودہ جان بوجھ کر گرانا کوئی آسان کام نہیں... یہ سب باتیں کسی باقاعدہ پروگرام کا پتا دیتی ہیں... اس لیے میں نے پوچھا ہے... یہ سب کیا چکر ہے۔''

''تب پھر سن لیں... اس سارے چکر کو چلانے والا ایک پراسرار آدمی ہے... اور وہ منگوڑی گڑھ میں رہتا ہے...''

''کیا!!!'' ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''ہاں یہی بات ہے... وہی ہمیں ہدایات دیتا ہے... ہمیں کب کیا کرنا ہے... وغیرہ... اس کا حکم ملتا ہے تو وہ سڑک پر گرا دیا جاتا ہے... اور لوگوں کو ڈاک بنگلے میں ٹھہرایا جاتا ہے... پہلے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ وہ جال میں آنے والے لوگ کس قدر مال دار ہیں... اگر خاص مال دار محسوس ہوتے

ہیں تو انہیں لوٹ لیا جاتا ہے..."

"اور کیا انہیں زندہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔"

"ہاں! زندہ چھوڑ دیا جاتا ہے... لیکن۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن کیا؟" وہ ایک ساتھ بول اٹھے۔

"لیکن انہیں یہاں سے میگوری گڑھ بھیج دیا جاتا ہے... میگوری گڑھ میں ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے... یہ ہمیں معلوم نہیں... اور یہی وجہ ہے کہ پولیس آج تک ڈاک بنگلے والوں کو گرفتار نہیں کر سکی... کیونکہ یہاں ان کے ٹھہرنے کا تو ثبوت پولیس کو مل جاتا ہے... اور اس سے زیادہ کچھ نہیں... وہ ہم انہیں پہلے ہی بتا دیتے ہیں کہ سڑک بند ہونے کی وجہ سے اور تفریحی مقام ہونے کی وجہ سے لوگ یہاں رکتے ضرور ہیں، پھر آگے چلے جاتے ہیں... اور ظاہر ہے... ہم سب کو تو لوٹتے نہیں۔ کوئی بہت دولت مند نظر آئے تو حرکت میں آتے ہیں۔"

"اور اس لوٹی ہوئی دولت کا کیا کرتے ہو؟"

"اپنا حصہ رکھ کر باقی میگوری گڑھ ٹاؤن روانہ کر دی جاتی ہے۔"

"لیکن کیسے؟"

"اس کا آدمی آتا ہے اور رقم لے جاتا ہے..."

"اس کا مطلب ہے... آج پھر اس کا آدمی آئے گا..."

"ہاں! بالکل۔"

"بھئی واہ... تب تو خوب مزہ رہے گا... ان سب کو ایک کمرے میں بند کر دو... پہلے ہم آنے والے کا انتظار کریں گے... یہ منہ سے آواز نہ نکالنے پائیں... اور ہاں... تم اس سے ملاقات کہاں کرتے ہو؟"

"وہ سیدھا کاؤنٹر پر آئے گا... پھر میں اسے اپنے کمرے میں لے آتا ہوں..."

"او کے سر..."

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید اس کے لباس میں کاؤنٹر پر بیٹھے تھے... ان کے بیٹھنے کا انداز بھی اس جیسا تھا... ایسے میں ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس وقت انسپکٹر جمشید نے منہ دوسری طرف کر رکھا تھا... وہ اندر داخل ہوتے بولا:

"کیوں... کیسا رہا شکار؟"

☆☆☆☆☆

نیچے اتر آؤ

'' شکار کا ہی تو انتظار تھا۔'' انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑتے ہوئے بولے۔ ساتھ ہی ان کا پستول آنے والے کی طرف اٹھ گیا۔

وہ زور سے اچھلا اور پھر ساکت ہو گیا۔ آنکھوں میں خوف دوڑ گیا... اسی وقت اکرام کے ماتحتوں نے اسے جکڑ لیا... اسے کرسی کے ساتھ باندھا گیا تھا۔

'' ہاں! اب ذرا ہو جائے تفصیل... منگوری گڑھ میں ہو کیا رہا ہے۔''

'' پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

'' اکرام... کاؤنٹر مین کو لے آؤ۔''

'' حاضر ہے سر۔''

کاؤنٹر مین کو اس کے ساتھ کر دیا گیا...

'' یہی ہے وہ شخص جو منگوری گڑھ سے آتا ہے اور دولت لے جاتا ہے۔''

'' جی... جی ہاں! یہی ہے۔''

'' کیا بک رہے ہو۔'' وہ گرجا۔

'' میں کیا کر سکتا ہوں... ہم سب ان کے قبضے میں ہیں... ہم نے اپنی سی بہت کوشش کر لی... لیکن ان کے آگے دال نہیں گلی۔''

'' لیکن میرا تم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں... نہ میں منگوری گڑھ سے آیا ہوں۔''

'' لیکن بھئی... تم نے ابھی آتے ہوئے کہا تھا... کیسا رہا شکار۔'' انسپکٹر جمشید طنزیہ انداز میں بولے۔

'' کس نے، میں نے کہا تھا... نہیں تو... آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔''

'' تو تم نے یہ الفاظ نہیں کہے۔''

'' بالکل نہیں جناب! آپ کے کان بجے ہوں گے۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

'' اچھی بات ہے... ابھی تمہارے کان بھی بجیں گے... یہ لو سنو... اپنا جملہ۔''

یہ کہہ کر انہوں نے اپنی گھڑی کا ایک بٹن دبا دیا۔ فوراً ہی اس کی آواز سنائی دی:

'' کیوں کیسا رہا شکار۔''

وہ چونکا... پھر سنبھل کر بولا:

'' یہ میری آواز نہیں ہے... ہاں میری آواز سے ملتی جلتی ضرور ہے۔''

''اچھی بات ہے... اکرام... اسے الٹا لٹکانے کا بندوبست کرو اور جب تک یہ ساری کہانی نہ سنا دے... اس وقت تک اس کے پاؤں زمین سے نہ لگیں۔''

''او کے سر... چلو بھی باندھو اس کے پیر رسی سے اور اس ہک سے لٹکا دو اسے... یہ بھی کیا یاد کرے گا... اس کے سر کے نیچے ہلکی سی آگ بھی کیوں نہ جلا دی جائے۔''

''تم نے تو میرے منہ کی بات چھین لی اکرام۔''

''بڑی بات ہے انکل... چھیننے کی کیا ضرورت تھی... مانگ لیتے۔''

فاروق مسکرایا۔

''یہ... یہ کون لوگ ہیں کالے خان۔'' آنے والے نے کاؤنٹر مین کی طرف دیکھ کر کہا۔

''معلوم نہیں... میں تو انہیں کسی شاہی خاندان کے افراد سمجھا تھا... لیکن لگتا ہے... معاملہ گڑبڑ ہے۔''

''خیر کوئی بات نہیں... یہ مجھ سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکیں گے... اور تم تو معاملے سے ہو ہی بے خبر...''

''یہ بھی اچھا ہے...'' کالے خان فوراً بولا۔

اکرام کے آدمی اسے باندھنے لگے۔ ایسے میں اس نے کہا:

''فضول ہے... کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔'' اس نے منہ بنایا۔

''کوئی بات نہیں... کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔''

''کالے خان! ان صاحب کا نام کیا ہے۔''

''یہ ہمارے استاد ہیں۔'' کالے خان نے کہا۔

''استاد... کیا مطلب؟''

''اس گروہ کے استاد... یہی ہیں... ہم سب تو ان کے ادنیٰ درجے کے شاگرد ہیں... یا ماتحت سمجھ لیں... دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ گروہ ان کا بنایا ہوا ہے۔''

''اوہ! تب تو ایک کام کا آدمی ہمارے ہاتھ آیا ہے۔''

''لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوگا...''

''بھئی ہم لوگ فائدہ اٹھانے کے ماہر ہیں... تم اگر فرفر بول پڑے تو کہنا۔''

''میں نے کہا نہ... میں کوئی لفظ نہیں بتاؤں گا۔''

''ہمیں کسی لفظ کی نہیں... پوری کہانی کی ضرورت ہے... میگوری گڑھ میں کیا ہو رہا ہے۔''

''یہ تم لوگ کبھی نہیں جان سکو گے... میں بتا دیتا... لیکن کیا کروں... بتا نہیں سکتا۔''

''کوئی پروا نہیں... اگلوانا ہمارا کام... اکرام حرکت میں آ جاؤ۔''

انسپکٹر جمشید سرد لہجے میں بولے۔ اکرام نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا تو اس کے پیر فرش سے اٹھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ سر بھی فرش سے اوپر اٹھ گیا... جلد ہی وہ ہک سے الٹا لٹک گیا۔

''اب اس [illegible] آگ جلا دو...''

''او کے...''

[illegible] اس کے سر کے نزدیک رکھ کر اسے جلا دیا گیا...

جلد ہی انہوں نے [illegible]... اس کا چہرہ سرخ ہوتا چلا جا رہا

تھا...

"تم کیا سمجھتے ہو... میں اس طرح تم لوگوں کو کچھ بتا دوں گا... ہرگز
نہیں... تمہاری پہلی شکست یہیں سے شروع ہو رہی ہے... اور منگوری گڑھ
میں تو تم قدم قدم پر شکست کھاؤ گے۔"

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے... کس کو شکست ہوتی ہے اور کس کو فتح۔"
انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

اب اس کے پسینے کے قطرات چولہے پر گر کر چھن چھن کرنے
لگے...

"اچھا صاحبان... تم ہار گئے... میں جیت گیا... لو میں چلا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی گردن کو ایک جھٹکا لگا... اور
ہاتھ بے جان انداز میں جھول گئے۔

"ارے! یہ کیا ہوا؟" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"خودکشی کر لی... کم بخت نے۔" انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"تب تو یہ واقعی جیت گیا۔" کالے خان کی آنکھوں میں آنسو آ
گئے...

"لگتا ہے... تم لوگوں کا ساتھ بہت پرانا تھا۔"

"کوئی ایسا ویسا... ہمارے لیے تو سب کچھ یہی تھے... ان کے گرد
میں آ کر ہم نے سکون کا سانس لیا تھا... ہمیں کبھی تکلیف نہیں ہونے دی انہوں
نے۔"

انسپکٹر جمشید اور ان کے باقی ساتھیوں نے کالے خان کے
ساتھیوں کی آنکھوں میں بھی آنسو دیکھے... اس وقت انہوں نے محسوس کیا...

بڑے سے بڑے آدمی میں بھی کوئی اچھائی ہوتی ہے۔

"اکرام! اسے اتار لو... ان سب لوگوں کو دارالحکومت لے جاؤ...
ہم یہاں سے منگوری گڑھ کا رخ کریں گے۔"

"لیکن سر... اب شاید آپ کا موجودہ حلیہ منگوری گڑھ میں کامیاب
نہ رہے۔"

"فکر نہ کرو... ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہم درمیان میں ہی اٹک جائیں
گے... ہم وہاں اسی حلیے میں جائیں گے۔"

"اس صورت میں اور مشکلات آئیں گی۔"

"کوئی پروا نہیں... جانا تو بہرحال ہمیں ہے..."

"آپ کے پاس منگوری گڑھ کے بارے میں معلومات کیا ہیں...
آپ نے وہاں جانے کا پروگرام بنایا کیوں ہے۔"

"میرا خیال تھا کہ یہ بات آپ کو معلوم ہوگی... خیر نہیں...
دارالحکومت کے کئی اہم آدمی منگوری گڑھ کی سیر کرنے کے لیے وہاں گئے، لیکن
لوٹ کر نہیں آئے... جب اس طرح کئی آدمی غائب ہو گئے تو دارالحکومت میں
تشویش کی لہر دوڑ گئی کہ آخر منگوری گڑھ میں ہو کیا رہا ہے... افسران نے میٹنگ
طلب کر لی... اس میں مجھے بھی بلایا گیا اور آخر منگوری گڑھ کی تفتیش میرے
ذمے ٹھہری... میں نے اپنے حلیے میں جانے کے بجائے میک اپ میں جانے کا
فیصلہ کیا... بس... اس سے زیادہ میری کوئی معلومات نہیں ہیں... یہ معلوم نہیں تھا
کہ راستے میں ڈاک بنگلے کا چکر شروع ہو جائے گا... خیر اب ہم یہاں سے
فارغ ہو گئے ہیں... اور یہ بات بھی ثابت ہو گئی ہے کہ اس ڈاک بنگلے کا تعلق
بھی انہی لوگوں سے ہے... جو منگوری گڑھ میں گڑبڑ کر رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید

کہتے چلے گئے۔

"بلکہ..." فرزانہ نے ہانک لگائی۔

"بلکہ سے آگے بھی کچھ کہنا چاہیے... ہم اس خالی بلکہ سے کیا سمجھیں۔" فاروق نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

"بلکہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ کہیں وہ گمشدگیاں یہیں سے نہ ہو گئی ہوں اور یہ معاملہ منگوری گڑھ میں ہوا ہی نہ ہو... جیسا کہ یہ لوگ ہمیں باور کرانے لگے تھے۔"

"ہاں! یہ بات بھی ہے... خیر... منگوری گڑھ تو ہمیں جانا ہی پڑے گا۔"

اور پھر وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ تو وہ اس وقت تک بتایا جا چکا تھا لہٰذا وہ بغیر کسی رکاوٹ کے آگے بڑھتے چلے گئے...

"ہم ایک پہلو کو نظر انداز کر گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

"جی... وہ کون سا پہلو؟"

"منگوری گڑھ سے جب ڈاک بنگلے سے رابطہ کیا جائے گا تو ادھر سے انہیں کوئی جواب نہیں ملے گا۔"

"لیکن اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں بھلا..." خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"ابھی ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے دبے دبے جوش کے انداز میں کہا۔

"تب پھر جمشید... جو کر سکتے ہو کر گزرو... کیونکہ بہتر یہی ہے کہ ابھی ڈاک بنگلے میں گڑبڑ کی خبر وہاں نہ پہنچے۔"

"اچھی بات ہے۔"

اب انہوں نے اکرام کو فون کیا...

"سنو اکرام... تم صرف کالے خان کو واپس ڈاک بنگلے میں لے آؤ... اپنے آدمیوں کو زبردست طریقے سے ڈاک بنگلے کے چاروں طرف مقرر کر دو... کوئی بھی اندر داخل نہ ہو سکے اور نہ کوئی جا سکے... کرنا یہ ہے کہ اگر منگوری گڑھ سے کوئی فون آئے تو کالے خان ان سے بات کرے اور سب خیریت کی اطلاع دے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے سر؟" اکرام کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیوں اکرام... کیا بات ہے... ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے بھلا۔"

"اس لیے سر... کہ رقم وصول کرنے کے سلسلے میں جو شخص آیا تھا... وہ سب سے پہلے اس کے بارے میں پوچھیں گے... کالے خان اس کے بارے میں انہیں کیا بتائے گا۔"

"اس سوال کا جواب بھلا کیا مشکل ہے۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"جی... کیا مطلب؟"

"بھئی بہت صاف اور سیدھا سا جواب ہے... یہ کہ وہ رقم لے کر واپس جا چکا ہے... اب ظاہر ہے... یہ لوگ اس وقت تو وہ اطمینان کا اظہار کریں گے... ان کی پریشانی تو اس وقت شروع ہوگی جب وہ وہاں اپنے وقت پر نہیں پہنچے گا... اس وقت وہ ڈاک بنگلے فون کریں گے... ظاہر ہے... وہ یہی کہے گا، بھلا میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں... یہاں سے تو وہ جا چکا ہے۔"

"[illegible] انکل۔" فرزانہ مسکرائی۔

"لیجیے! اب بلا کی جگہ تیمن لے آئی۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"وہ اس سے موبائل پر رابطہ کرنے کی کوشش کریں گے... لیکن رابطہ نہیں ہوگا... اس وقت تو وہ گڑبڑ کو بھانپ لیں گے اور ہمارے لیے مشکلات کھڑے ہو سکتی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں... جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں کا کیا ڈر۔" محمود ہنسا۔

"ایک تو جب دیکھو، یہ اوکھلی ٹپک پڑتی ہے۔"

"بس! بات ختم... اب جو ہوگا... دیکھا جائے گا... ہم جو کر سکتے تھے، کر چکے ہیں، اب خود کو حالات کے رحم و کرم پر ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

"اللہ مالک ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

پھر وہ اسی مقام پر پہنچ گئے... جہاں سے لوگ شہر میں داخل ہوتے تھے... اس جگہ گاڑیوں کی ایک لمبی لائن لگی ہوئی تھی... اس لیے کہ کئی اور شہروں سے آنے والے لوگ بھی یہیں سے اندر داخل ہوتے تھے گویا اس جگہ کئی سڑکیں آ کر ملتی تھیں...

انہوں نے دیکھا کہ پولیس، گاڑیوں کی اور گاڑیوں میں سوار لوگوں کی باقاعدہ آلات کے ذریعے تلاشی لے رہی تھی...

"یہاں روزانہ اسی طرح تلاشی لی جاتی ہے یا آج ہی لی جا رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"یہ تو کوئی پولیس مین ہی بتا سکے گا جمشید۔"

"ہوں... خیر... دیکھا جائے گا۔"

ایک ایک کر کے گاڑیاں آگے بڑھتی گئیں... آخر خدا خدا کر کے ان کی باری آئی۔ جونہی ان کی گاڑی سے آلہ لگایا گیا... پولیس آفیسر بول اٹھا:

"گاڑی سے نیچے اتر آئیے۔"

☆☆☆☆☆

میں اندر آ سکتا ہوں؟

"کیوں جناب! کیا بات ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"گاڑی کی تلاشی لی جائے گی اور آپ لوگوں کی بھی۔"

"آپ دیکھ رہے... اندر شاہ امان اللہ تشریف رکھتے ہیں... اس ملک کی ایک پڑوسی ریاست کے حکمران... اور یہ ہیں ان کے وزیر باتدبیر... میں ہوں آپ کا سیکرٹری... اور اندر شہزادے صاحبان اور شہزادی صاحبہ ساتھ ہیں... ان حالات میں آپ ہمیں گاڑی سے باہر نکالیں گے۔"

"ہاں! مجبوری ہے... میگوری گڑھ میں داخل ہونے سے پہلے تلاشی ضروری ہے۔"

"میں آپ کو اس ملک کے ذمے دار لوگوں کی طرف سے ملنے والا سرٹیفکیٹ دکھا دیتا ہوں... اس کی مدد سے ہم پورے ملک میں کہیں بھی بلا روک ٹوک جا سکتے ہیں۔"

"میگوری گڑھ میں پھر بھی نہیں جا سکتے۔"

"کیوں جناب! کیا یہاں ملک کا قانون لاگو نہیں ہے۔"

"ملک کا قانون لاگو ہے، لیکن میگوری گڑھ کی انتظامیہ کا بھی قانون ہے اور اس کا احترام کرنا ہوگا۔"

"آپ سوچ لیں... یہ معاملہ ہم اوپر اٹھائیں گے... پھر میگوری گڑھ کی انتظامیہ کے ساتھ آپ کو بھی جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"آپ تلاشی دے دیں... ورنہ واپس جائیں۔" اس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے... آپ کا نام؟" انھوں نے پوچھا۔

"مجھے انسپکٹر شاہ زیب کہتے ہیں..." وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"بہت اچھا! یہاں کے لوگ آپ کے مرتبے کو نہیں پہچانتے... لیکن یہ میرا آپ سے وعدہ... میں انہیں پہچان کرا دوں گا... اس وقت آپ زحمت کریں اور ذرا گاڑی سے نیچے تشریف لے آئیں۔"

"سیکرٹری..." خان رحمان بارعب آواز میں بولے۔

"لیس سر۔"

"آپ صدر صاحب کو فون کریں... انہیں صورت حال بتائیں... ہم کیوں نیچے اتریں اور تلاشی دیں آخر... کیا ہمارے پاس اس حکومت کا اجازت نامہ نہیں ہے..."

"آپ ٹھیک فرماتے ہیں... مجھے یہی کرنا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

پھر انھوں نے صدر صاحب کے نمبر ملائے۔

"سر... ریاست پائنیل کے شاہ امان اللہ کا سیکرٹری کمال فوزی بات کر رہا ہوں... میگوری گڑھ کی انتظامیہ تلاشی کے بغیر ہمیں داخل ہونے سے

روک رہی ہے... جب کہ شاہ امان اللہ تلاشی دینے پر تیار نہیں... وہ اس اقدام کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے جمشید... میں فون کرتا ہوں۔"

"شکریہ۔" انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

پھر انہوں نے پولیس آفیسر سے کہا۔

"صدر صاحب یہاں کی انتظامیہ کو فون کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے... اگر مجھے حکم ملا تو میں آپ کو تلاشی کے بغیر جانے دوں گا... لیکن ملے گا نہیں۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"ہمارے سربراہ اجازت نہیں دیں گے۔"

"گویا وہ ملک کے صدر کی بات بھی نہیں مانیں گے۔"

"وہ صدر صاحب کو ایک ایسی بات کہیں گے جو انہیں ماننا پڑے گی، اس طرح آپ لوگوں کو آخر کار تلاشی دینا ہوگی۔"

"ارے نہیں بھئی۔" وہ بولے۔

"ارے نہیں بھئی کیا؟"

"وہ ایسی کوئی بات نہیں کہیں گے... اور ہم تلاشی دیے بغیر اندر جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے... آپ بھی یہیں اور ہم بھی یہیں... ابھی پتا چل جاتا ہے..." انسپکٹر شاہ زیب نے مسکرا کر کہا۔

اور پھر اس کے فون کی گھنٹی بج اٹھی... اس کے چہرے پر رنگ اڑتا نظر آیا، پھر اس نے موبائل کان سے لگا لیا... دوسری طرف کی بات سن کر

موبائل جیب میں رکھ لیا، پھر ان کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا:

"آپ کو تلاشی دینا ہوگی۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں جناب! مجھے یہی ہدایات ملی ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے موبائل نکال کر پھر صدر صاحب کے نمبر ملائے... فوراً ہی ان کی آواز سنائی دی۔

"ہاں جمشید! اب کیا ہوا؟"

"یہاں موجود انسپکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ اسے ہدایات ملی ہیں کہ ہماری تلاشی لی جائے گی... کیا آپ نے انہیں ہدایات نہیں دیں۔"

"ایک منٹ جمشید..." انہوں نے الجھن کے عالم میں کہا۔

پھر شاید وہ دوسرے فون پر بات کرنے لگے... وہ اس جگہ سے کچھ دور چلے آئے... آخر صدر صاحب بولے:

"مجھ سے انہوں نے فون پر یہی کہا تھا کہ میں فکر نہ کروں... ان لوگوں کی تلاشی نہیں لی جائے گی... یہاں ضرور گڑبڑ ہے جمشید... اب بھی اگر یہ تلاشی کے بغیر نہ جانے دیں تو تم تلاشی دے کر چلے جاؤ... اس وقت کی سبکی کو پی جاؤ... کیونکہ اس طرح تمہارا دورہ لیٹ ہو رہا ہے اور شاید وہ لوگ اس مہلت سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔"

"لیکن سر... جب بعد میں ان کی جواب طلبی ہوگی کہ صدر صاحب کے حکم کے باوجود انہوں نے تعمیل کیوں نہیں کی تو اس وقت وہ کیا کریں گے۔"

"اس وقت وہ یہاں موجود آفیسر پر سارا بوجھ ڈال دیں گے اور اس سے پہلے ہی اسے غائب ہونے کا حکم دے دیں گے... اس طرح ہم کیا کر سکیں

گے بھلا... تم خود سوچو!''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سر... شکریہ!''

انہوں نے فون بند کر دیا اور کار کے پاس چلے آئے... ایک بار پھر انسپکٹر شاہ زیب کے فون کی گھنٹی بجی... اس کے چہرے کا رنگ پھر اڑتا نظر آیا... اس نے موبائل کان سے لگایا، پھر جیب میں رکھتے ہوئے گہرے طنزیہ انداز میں بولا:

''آپ کو تلاشی دینا ہوگی۔''

''اچھی بات ہے... لیکن اس سلسلے میں قربانی کا بکرا آپ بنیں گے۔''

''کیا مطلب؟''

''اس وقت اگرچہ آپ کے آفیسر آپ کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ ہماری تلاشی لی جائے... لیکن بعد میں وہ کہیں گے... ہم نے تو انسپکٹر شاہ زیب کو حکم دیا تھا... ان حضرات کی تلاشی نہ لی جائے اور انہیں ایسے ہی جانے دیا جائے... کیونکہ یہ صدر صاحب کا حکم ہے... لیکن انسپکٹر شاہ زیب نے اس حکم کو ہوا میں اڑا دیا تو اس میں ہمارا کیا قصور... سزا تو اسے ملنی چاہیے... ساتھ میں وہ آپ کو ہدایت دیں گے کہ آپ غائب ہو جائیں... لیکن... ہم آپ کو غائب نہیں ہونے دیں گے۔''

اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا... تاہم اس نے خود کو پرسکون ظاہر کرتے ہوئے اپنے ماتحتوں سے کہا:

''ان کی گاڑی کی اچھی طرح تلاشی لی جائے۔''

''اوکے سر۔''

پھر ان کی تلاشی شروع ہوئی... گاڑی کو بھی اچھی طرح کھنگالا گیا... آخر انہوں نے اعلان کیا:

''کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ملی سر۔''

''ٹھیک ہے... ان حضرات کو جانے دیا جائے۔''

اب وہ قصبے کی حدود میں داخل ہوئے... وہاں کچھ لوگ سڑک کے دونوں طرف بڑے بڑے کارڈ لیے کھڑے تھے۔ ان کارڈوں پر ہوٹلوں کے نام وغیرہ درج تھے... انہوں نے ان میں سے ایک طرف اشارہ کیا... کارڈ والا نوجوان فوراً ان کی طرف لپکا:

''تو شاہی ہوٹل کے نمائندے آپ ہیں۔''

''جی بالکل۔''

''ہم نے ہوٹل میں پہلے ہی کمرے بک کرائے ہوئے ہیں... ہماری رہنمائی کے لیے کسی کو ساتھ بھیج دیں۔''

''ضرور سر... کیوں نہیں... یہ میرے ماتحت آپ کے ساتھ جائیں گے۔''

''شکریہ!''

اب ان کا سفر شاہی ہوٹل کی طرف شروع ہوا... جلد ہی وہ ہوٹل کے سامنے پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا... وہ ایک شاہانہ قسم کا ہوٹل تھا... عمارت اس قدر طویل تھی کہ اس کا آخری سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔

''حیرت ہے... ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک چھوٹے سے قصبے میں اتنا بڑا ہوٹل بھی ہو سکتا ہے۔''

''ہمارا ہوٹل اس قصبے کا سب سے بڑا اور اعلیٰ درجے کا ہوٹل ہے

جناب... یہاں ہمیشہ بڑے لوگ ٹھہرتے ہیں۔''

''ایسا ہی لگتا ہے... خیر... آپ ہمیں ہمارے کمروں تک پہنچا دیں... ہم بہت تھکے ہوئے ہیں۔''

''آئیے... پہلے آپ کو کاؤنٹر پر جانا پڑے گا... یہ تو وہی بتائیں گے... کون سے کمرے بک ہیں۔''

''کمروں کے نمبر ہمارے پاس ہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

''پھر بھی پہلے آپ کو کاؤنٹر پر جانا پڑے گا۔''

''ہم ادائیگی کر چکے ہیں...''

''چابیاں تو کاؤنٹر ہی سے ملیں گی۔'' اس نے قدرے ناراض ہو کر کہا۔

''اوہ ہاں! یہ تو ہم بھول ہی گئے... چلیے پھر... دراصل ہم چاہتے تھے... سیدھے اپنے کمروں کی طرف چلے جائیں...''

''ٹھیک ہے... آپ یہیں اپنی گاڑی میں ٹھہریں... کمروں کے نمبر بتائیں... یا ہوٹل کی طرف سے رجسٹریشن سلپ ملی ہو تو وہ دے دیں۔''

''ہاں سلپ ہے۔''

انہوں نے سلپ اسے دے دی... وہ اندر گیا اور چابیاں لے آیا۔ پھر وہ رہائشی کمروں کی طرف چل پڑے... ان کے لیے کمرہ نمبر 19 اور 20 بک کیے گئے تھے... ملازم انہیں کمروں کے اندر پہنچا کر لوٹ گیا... جانے سے پہلے وہاں کے طریقہ کار کے بارے میں بھی بتایا گیا۔ انہوں نے دروازے اندر سے بند کر لیے۔ اب انسپکٹر جمشید نے صدر صاحب کو فون کیا... ان کی آواز سن کر وہ بولے:

''ہم منگوری گڑھ پہنچ گئے ہیں سر۔''

''بہت خوب جمشید... اللہ کا شکر ہے... تم راستے میں ہی غائب نہیں ہو گئے۔''

''انہوں نے تو غائب کرنے کی کوشش کی تھی سر۔''

''ہوں... خیر...''

''آپ نے یہاں کن صاحب سے بات کی تھی... سب سے پہلے ہم انہی سے رابطہ کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ بولے۔

''یہاں کے ڈپٹی کمشنر راجا براس سے... ہر معاملے کا ذمے دار وہی ہے...''

''شکریہ سر۔''

''جمشید پوری طرح ہوشیار رہنا... میں تم لوگوں کے بارے میں بہت فکر مند ہوں... اگر تم بھی غائب ہو گئے تو مجھے بہت رنج ہو گا۔''

''ان شاء اللہ ہم غائب نہیں ہوں گے... آپ پریشان نہ ہوں۔''

''اللہ مہربانی فرمائے۔'' یہ کہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

اب انہوں نے ہوٹل کے ٹیلی فون ایکس چینج سے ڈپٹی کمشنر کے نمبر معلوم کیے... اس کے بعد اس کے نمبر ملائے... دوسری طرف سے کسی ماتحت نے بتایا، صاحب اس وقت مصروف ہیں... بات نہیں کر سکتے... آپ صبح فون کریں۔''

''جی نہیں... اس وقت بات کرنا ہو گی...''

''سوری۔'' یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔

اب انہوں نے صدر صاحب کے نمبر ملائے... صورت حال

انہیں بتائی...

"اچھی بات ہے جمشید... میں ہدایات دیتا ہوں اسے... وہ خود تمہیں فون کرے گا... شاہی ہوٹل میں کمروں کے نمبر کیا ہیں؟"

"جی... 20،19۔"

"اوکے۔" وہ بولے۔

انہوں نے فون بند کر دیا... جلد ہی صدر صاحب نے انہیں فون پر بتایا کہ راجہ برلاس سے ان کی بات ہو گئی ہے... وہ چند منٹ کے اندر تم سے بات کرے گا۔"

"شکریہ سر۔"

پھر آدھ گھنٹہ گزرنے پر بھی ڈپٹی کمشنر نے انہیں فون نہ کیا... اب تو مارے غصے کے ان کا برا حال ہو گیا... انہوں نے ایک بار پھر صدر کو فون کیا... صدر بھی غصے میں آ گئے... دو منٹ بعد وہ بولے...

"جمشید! اگر تین منٹ کے اندر اندر وہ تم سے بات نہ کرے تو پھر تم پوری طرح آزاد ہو... جو جی میں آئے کرو۔"

"اوکے... آپ فکر نہ کریں... ہم اب حرکت میں آ رہے ہیں... صرف تین منٹ آپ کے حکم کی وجہ سے رکیں گے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔"

پھر تین منٹ بھی گزر گئے... فون نہ آیا۔

"آؤ بھی چلیں... یہاں تو لگتا ہے پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔"

جلد ہی وہ ڈپٹی کمشنر ہاؤس کے سامنے پہنچ گئے... وہاں گیٹ پر باوردی پہرے دار موجود تھے... وہ ان کے نزدیک گاڑی لیتے چلے گئے...

ایسے میں وہ چلا اٹھے:

"ٹھہرو... رک جاؤ... ورنہ گولی مار دیں گے۔"

انسپکٹر جمشید اس سے پہلے ہی گاڑی روک چکے تھے اور پھر وہ اس سے اتر آئے...

انہوں نے انہیں اپنی پہچان دی:

"ہمارے پاس ملک کے صدر کی طرف سے ڈپٹی کمشنر راجہ برلاس صاحب کے نام پیغام ہے... آپ فوراً انہیں اطلاع دیں۔"

ان کا خیال تھا یہ سنتے ہی ان میں سے ایک تو ضرور اندر کی طرف دوڑ لگا دے گا، لیکن ان کا خیال بالکل غلط نکلا، ان کے چہروں پر طنزیہ مسکراہٹ دوڑ گئی، پھر ایک نے کہا:

"پیغام ہمیں دے دیں، ہم اندر پہنچا دیتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے ان میں سے ایک نے ہاتھ ان کی طرف بڑھایا۔

"نہیں! ہمیں ہدایات ہیں... پیغام ہم خود ان کے ہاتھ میں دیں گے... آپ بس انہیں پیغام بھیج دیں۔"

"اور ہمیں ان کی ہدایات یہ ہیں کہ وہ کسی سے ملاقات نہیں کریں گے۔"

"اوکے... اب جو ہوگا... اس کی ذمے داری آپ پر ہوگی..." انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" دونوں تیز آواز میں بولے۔

"اے وزیر باتدبیر صاحب... آپ کی کوئی تدبیر اب تک سامنے کیوں نہیں آئی۔" انسپکٹر جمشید نے سرسری انداز میں کہا۔

میں اس نے ان دونوں کے پیروں کے پاس ایک پٹاخہ سا دھماکا ہوا... وہ اچھل پڑے... دوسرے ہی لمحے وہ زمین پر لیٹے نظر آئے... انہوں نے فوراً ان کی رائفلوں پر قبضہ کر لیا۔ ساتھ ہی محمود اور فاروق نے انہیں ریشم کی باریک ڈوری سے جکڑ دیا۔ اب وہ اندر داخل ہوئے... سامنے سے ایک ملازم جھومتا جھامتا چلا آ رہا تھا... وہ انہیں دیکھ کر ٹھٹکا۔ انسپکٹر جمشید فوراً بولے:

"راجہ صاحب کا کمرہ کس طرف ہے؟"

"اس طرف۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

وہ فوراً اس طرف مڑ گئے... اور تیز تیز قدم اٹھانے لگے...

ادھر اس ملازم کا رخ دروازے کی طرف ہو گیا... غالباً اسے حیرت ہوئی تھی کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کے ساتھ کوئی گیٹ کیپر کیوں نہیں ہے... رسیوں سے باندھنے کے بعد وہ ان دونوں کو کوٹھی کی دیوار کے ساتھ لگا آئے تھے... اور اس وقت شام کے سائے لمبے ہو چکے تھے... جلد ہی انہوں نے اس ملازم کو اپنی طرف دوڑ کر آتے دیکھا... ساتھ ہی وہ پکارا:

"خبردار... ٹھہر جاؤ۔"

"پروفیسر صاحب... ایک پٹاخہ اس کی طرف بھی۔"

"یار جمشید... کہیں پٹاخے ختم نہ ہو جائیں۔"

"اللہ مالک ہے... آپ اور بنا لیجیے گا۔"

"ہائیں... اب بادشاہ سلامت پٹاخے بنائیں گے۔" پروفیسر داؤد نے آنکھیں نکالیں۔

اور وہ ہنسنے لگے... اتنی دیر میں پروفیسر داؤد ایک پٹاخہ تیسرے ملازم کی طرف اچھال چکے تھے... وہ بھی فوراً لمبا لیٹا نظر آیا۔ اب وہ ایک

کمرے کے دروازے تک پہنچ چکے تھے۔ دروازہ بند تھا... محمود نے دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا... وہ یک دم اندر داخل ہو گئے... کوئی بری طرح چلایا:

"یہ کیا بدتمیزی ہے..."

انہوں نے ایک لمبے قد کے مضبوط جسم والے شخص کو آرام کرسی میں نیم دراز دیکھا... اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا اور وہ تن کر بیٹھ گیا تھا۔

"راجہ براس؟" انسپکٹر جمشید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں! میرا ہی نام راجہ براس ہے... لیکن تم لوگوں کو اس طرح بغیر اجازت اندر داخل ہونا بہت مہنگا پڑے گا۔"

"کوئی پروا نہیں... ہم لوگ کوئی غریب لوگ نہیں ہیں۔"

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔"

اچانک انہوں نے کسی کی آواز سنی...

☆☆☆☆☆

بابا

انہوں نے دیکھا... وہ چھوٹے سے قد کا دبلا پتلا اور بالکل بے ضرر سا آدمی تھا... اس کی آنکھوں میں البتہ ایک شریر سی چمک تھی... یوں لگتا تھا جیسے وہ شریرانہ انداز میں مسکرا رہا ہوں... اس کا سر بالکل گول تھا۔ اس قدر گول سر انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا... سر پر کوئی بال نہیں تھا... آنکھیں بھی بالکل گول تھیں... بس اسے دیکھ کر الّو کا خیال آتا تھا... وہ اس کمرے کے اندرونی حصے میں کھلنے والے دروازے میں کھڑا تھا... گویا ابھی تک اجازت کے انتظار میں تھا۔

"اوہ... مسٹر گومی... آیئے آیئے... آپ جاگ گئے..."

"ابھی ابھی ان حضرات کی آواز سن کر آنکھ کھلی ہے... ورنہ میں تو گہری نیند سو رہا تھا... یہ کون حضرات ہیں۔"

"مجھے نہیں معلوم مسٹر گومی... یہ لوگ اچانک آگھسے ہیں... پتا نہیں چوکیدار نے انہیں کیوں نہیں روکا... ان سے پوچھتا ہوں۔" اس نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا... فوراً ہی دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور ایک ملازم اندر داخل

ہوا۔

"یس سر۔" اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"سور کے بچے... یہ لوگ اندر کیسے آگئے۔"

"سر! یہ تو چوکیداروں سے پوچھیے۔"

"جاؤ... انہیں بلا کر لے آؤ۔"

"یس سر۔" اس نے کہا اور ایڑیوں پر گھوم گیا... اس کے باہر جاتے ہی گومی بولا:

"تو آپ ابھی سے پوچھ لیں نا... یہ اندر کیسے آگئے... یہ ہیں کون حضرات... ہاں بھئی... آپ ذرا خود ہی بتا دیں۔"

"چوکیداروں نے ہمیں اندر نہیں آنے دیا... ہم نے انہیں سبق سکھا دیا..." انسپکٹر جمشید سرد اور خشک لہجے میں بولے۔

"واہ واہ... راجہ صاحب... آپ نے سنا... ان لوگوں نے آپ کے چوکیداروں کو سبق سکھا دیا... خوب خوب... وہ ہیں ہی اس قابل... انہیں سبق سکھانا ہی چاہیے تھا... خیر... دفع کریں... آپ لوگ یہ بتائیں... آئے کیسے؟"

"پہلے تو آپ بتائیں... آپ کون ہیں... ہم راجہ صاحب سے بات کرنا چاہتے ہیں اور کہ آپ سے..."

"میں... میں تو بس ان کا دوست ہوں... ان کا مہمان ہوں... ساتھ والے کمرے میں سویا ہوا تھا... آپ لوگوں کی آواز سن کر جاگ گیا... اس میں میرا کیا قصور۔"

"اچھا آپ ذرا خاموش رہیں... اور ہمیں ان سے بات کرنے

دیں... راجہ صاحب آپ کو صدر صاحب نے حکم دیا تھا کہ شاہی خاندان کے کچھ لوگوں کو شہر کے دروازے پر روکا گیا ہے... آپ ان کی تلاشی نہ لینے کا حکم دیں... آپ نے یہ حکم کیوں نہیں دیا...''

''تو آپ وہ لوگ ہیں۔''

ایسے میں وہی ملازم حیرت زدہ سا اندر داخل ہوا:

''سر... سر... وہ دونوں اور سانو خان بے ہوش پڑے ہیں۔''

''کیا!!!'' راجہ برلاس چلا اٹھا۔

''یہ کام ان لوگوں نے دکھایا ہوگا... ابھی کر تو رہے تھے، ہم نے انہیں سبق سکھا دیا۔'' گوپی نے ہنس کر کہا۔

''ٹھیک سمجھے... راجہ صاحب... آپ اپنے مہمان سے کہیں... یہ خاموشی اختیار کریں... ہم آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''میں انہیں نہیں روک سکتا، یہ میرے بہت معزز مہمان ہیں... سمجھے آپ۔'' راجہ برلاس نے آنکھیں نکالیں، پھر چونک کر بولا:

''اور یہ کیا... آپ نے میرے آدمیوں کو بے ہوش کیا... آپ لوگوں کی یہ جرأت... میں بتاتا ہوں... آپ کو۔''

یہ کہہ کر اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور اس پر صرف ایک نمبر ڈائل کر کے ریسیور رکھ دیا...

''اگر آپ نے پولیس کو فون کیا... تو اس کے آنے میں کچھ دیر لگے گی... لہٰذا اتنی دیر میں آپ ہمارے سوال کا جواب دیں۔''

''دیر کیسی... سنیں... دوڑتے قدموں کی آواز کیا کہہ رہی ہے۔''

راجہ ہنسا۔

''ہاہاہا...'' گوپی نے بچوں کی طرح تالیاں بجا دیں۔

''آپ کے یہ مہمان عجیب ہیں... بہت عجیب۔'' انسپکٹر جمشید نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

ان کے ساتھی ایک دم پریشان ہو گئے... کیونکہ ان کا جملہ ان کے لیے پریشان کن تھا... تاہم وہ خاموش رہے۔

''ہاں! یہ عجیب ہیں... بہت عجیب... لیکن ابھی آپ کو ان کے عجیب پن کا تجربہ کہاں ہوا ہے... جب تجربہ ہوگا... پھر پتا چلے گا... یہ کتنے عجیب ہیں۔''

''ہاہاہا۔'' گوپی پھر بچوں کی طرح ہنسا...

انسپکٹر جمشید کا رنگ زرد پڑ گیا... ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے... اس وقت ایک پولیس آفیسر چار ماتحتوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ پہلے تو اس نے راجہ کو سلوٹ کیا... پھر بولا:

''کیا حکم ہے سر۔''

''ان لوگوں کو گرفتار کر لیں... یہ غیر قانونی طور پر اندر داخل ہوئے ہیں... انہوں نے میرے تین ملازموں کو بے ہوش کیا ہے...''

''جی ہاں! ہم دیکھ چکے ہیں... وہ باہر پڑے ہیں۔''

''بس تو پھر ان کے خلاف تو کیس بہت مضبوط بن گیا۔''

''اس میں کیا شک ہے سر۔''

یہ کہہ کر پولیس آفیسر نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا۔

''گرفتار کر لو انہیں۔''

''جی نہیں... ہم یہاں اپنے ملک کے صدر کے حکم سے داخل ہوئے

ہیں... لہٰذا آپ ہمیں گرفتار نہیں کر سکتے۔"

"کیا مطلب؟" پولیس آفیسر چونکا۔

"یہ رہا صدر صاحب کا حکم۔"

انہوں نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر پولیس آفیسر کے آگے کر دیا۔ اس نے اس حکم کو پڑھا... پھر راجہ صاحب سے بولا:

"یہ ٹھیک ہے راجہ صاحب... ان کے پاس صدر صاحب کا حکم ہے... لیکن ہم تو آپ کے ماتحت ہیں... آپ جو حکم دیں گے، ہم اس کی تعمیل کریں گے۔"

"تم انہیں لے جاؤ..." اس نے ہاتھ ہلا کر حقارت آمیز انداز میں کہا۔

"چلو۔" پولیس آفیسر بولا۔

"چلیے۔" انسپکٹر جمشید نے مرے مرے انداز میں کہا اور کمرے سے باہر نکلنے کے لیے گھوم گئے... اس وقت گوگی پھر ہنسا۔

"ہاہاہا... ہاہاہا۔"

اور وہ باہر نکل آئے... مارے حیرت کے ان کا برا حال تھا... باہر نکل کر وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھے۔

"اس میں نہیں... آپ کو پولیس کی گاڑی میں چلنا ہے۔"

"اور ہماری گاڑی۔"

"آپ کی گاڑی کو میرا ماتحت پولیس اسٹیشن لائے گا۔"

"اچھی بات ہے... لیکن خیال رہے... گاڑی بہت قیمتی ہے... اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو آپ جواب دہ ہوں گے۔"

"میں جواب دے لوں گا... یہاں حکومت ہماری ہے... آپ نے دیکھا نہیں... صدر صاحب کا حکم بھی راجہ صاحب نے نہیں مانا۔"

"ہاں! دیکھا... لیکن ابھی آپ کو بہت کچھ دیکھنا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ اب ان کی وہ حالت نہیں رہی تھی... جو راجہ بر اس کے کمرے میں گوگی سے بات کرتے وقت نظر آئی تھی۔

"اوہ کوئی بات نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"آپ کا نام۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میرا نام جان کر بھی آپ میرے خلاف کچھ نہیں کر سکیں گے... اب میں آپ کو کچھ کرنے کے قابل چھوڑوں گا ہی نہیں... ویسے میرا نام فاخر رائے ہے۔"

"اچھی بات ہے مسٹر فاخر رائے... اب اپنے ہر فعل کے ذمے دار آپ خود ہوں گے۔"

"اور کیا... میں آپ کو ذمے دار ٹھہراؤں گا۔" وہ ہنسا۔

اور پھر وہ پولیس اسٹیشن پہنچ گئے... گاڑی سے اترتے ہی رائے نے چلا کر کہا:

"او کے... لے چلو انہیں پھانسی گھاٹ۔"

"کیا کہا... پھانسی گھاٹ۔"

"ہاں اور کیا... تم سب کو پھانسی دینے کا حکم ہی تو دیا ہے راجہ صاحب نے... چلو بھئی سب لوگ ان کی پھانسی کا تماشا دیکھو... بہت بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہے تھے..."

"سیکر بیری۔" خان رحمان گھبرا کر بولے۔

"جہاں پناہ۔" انسپکٹر جمشید فوراً بولے۔

"یہ... یہ تو پھانسی دینے لگے ہیں۔"

"آپ... آپ کیا چاہتے ہیں جہاں پناہ۔"

"حد ہوگئی... اب میں یہ بھی بتاؤں کہ میں کیا چاہتا ہوں..."

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ ہمیں پھانسی نہ دیں تو انہیں ہیرے دے دیں۔"

"ہیرے۔"

ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا...

"ہاں! ہیرے... ہیرے لے لو... ہمیں پھانسی نہ دو... دراصل ہمیں پھانسی کی موت سے بہت ڈر لگتا ہے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"ہم ہوٹل شاہی میں ٹھہرے ہوئے ہیں... کمرہ نمبر 20،19 میں... وہیں ہمارا سامان موجود ہے... اس سامان میں ہیرے موجود ہیں۔"

"تم نے سنا... جاؤ... وہاں سے ان کا سامان لے آؤ... اب ہیرے بھی ہمارے ہیں اور پھانسی تو ہے ہی ان کے لیے۔"

"حد ہوگئی... ہیرے بھی ہاتھ سے گئے... اور پھانسی سے بھی نہ بچے... یہ کیا ہوا سیکریٹری۔"

"جہاں پناہ یہ لوگ تو قدم قدم پر گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہے ہیں... اب ہمارے پاس دو ہی راستے ہیں... ایک تو یہ کہ چپ چاپ پھانسی پا جائیں..."

"اور دوسرا راستہ۔"

"دوسرا راستہ یاد نہیں آرہا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"حد ہوگئی سیکریٹری... یہ بھی کوئی بھولنے کی بات ہے... وزیر با تدبیر... آپ بتائیں... دوسرا راستہ کون سا ہے۔" خان رحمان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم انہیں اس قابل نہ رہنے دیں کہ یہ ہمیں پھانسی چڑھا سکیں۔"

"واہ... واہ... یہ ہوا نا بہترین راستہ... تو میرے پیارے وزیر صاحب! آپ اس تدبیر پر عمل کیوں نہیں کر لیتے۔"

"آپ کی اجازت کی ضرورت تھی... یہ لیجیے جہاں پناہ... اپنے وزیر با تدبیر کی تدبیر دیکھیے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا دایاں پاؤں زور سے زمین پر دے مارا۔ ہر طرف سفید دھواں پھیل گیا... اور سب لوگ گرتے چلے گئے... البتہ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی دھوئیں سے بے ہوش نہ ہو سکے... کیونکہ وہ پہلے ہی سانس روک چکے تھے اور دھواں پھیلتے ہی ادھر ادھر لڑھک چکے تھے...

"اب آؤ دیکھو نہ تاؤ... نکل چلو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ان کی گاڑی بھی ساتھ ہی لائی گئی تھی... لہٰذا وہ اس پر سوار ہوئے اور نکل بھاگے... انہوں نے دیکھا، دور دور تک ان کے پیچھے کوئی گاڑی نہیں تھی...

"سوال یہ ہے کہ اب ہم جائیں کہاں۔"

"پہلے تو پروفیسر صاحب بتائیں... یہ لوگ کتنی دیر تک ہوش میں آئیں گے۔"

"کم از کم دو گھنٹے بعد۔" انہوں نے جواب دیا...

"بس تو پھر پہلے ہم اپنے ہوٹل جائیں گے... وہاں سے اپنی ضروری چیزیں لیں گے اور کسی اور ہوٹل میں ڈیرہ ڈالیں گے..."

"کسی اور ہوٹل میں کیوں... ابا جان... اب ہم اس میک اپ میں تو یہاں اطمینان سے رہ نہیں سکیں گے... لہٰذا اس میک اپ سے نجات حاصل کر لیں... اس صورت میں ہم وہیں رہ سکتے ہیں۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن بھئی... وہاں ہم اور کمرے کہاں سے لائیں گے... اور راجہ کے آدمی سیدھے ان کمروں پر چڑھائی کریں گے... لہٰذا پہلے کسی اور ہوٹل میں کمرے حاصل کر لیں گے... پھر واپس شاہی ہوٹل میں آ جائیں گے... اور ہوٹل کے ہال میں بیٹھ کر شاندار سا کھانا کھائیں گے... ایسے میں راجہ صاحب کے آدمی اندر داخل ہوں گے، لیکن ہم اپنے حلیے تبدیل کر چکے ہوں گے... اس لیے وہ ہمارے پاس سے گزر کر ہمارے کمروں کی طرف جائیں گے... واہ... کتنا مزہ آئے گا۔"

"خوب... خوب..." پروفیسر داؤد بچوں کی طرح خوش ہو کر بولے۔

اور پھر واقعی دو گھنٹے بعد وہ شاہی ہوٹل کے ہال میں کھانا کھا رہے تھے... ایسے میں ہوٹل کے باہر پولیس کی گاڑیوں کا شور گونج اٹھا...

☆☆☆☆☆

سرخی

"لو آ گئے... ہمیں پکڑنے کے لیے۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے... ساتھ میں مسکرائے۔

"ابھی تک چکر سمجھ میں نہیں آیا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"تیل دیکھو... تیل کی دھار دیکھو... اب یہ پورے قصبے میں ہمیں تلاش کریں گے... لیکن ہم انہیں قصبے میں کہیں بھی نظر نہیں آئیں گے..."

"آخر یہاں ہو کیا رہا ہے۔"

ایسے میں باہر سے مائیک میں کہا گیا:

"خبردار! پولیس ہوٹل کو گھیرے میں لے چکی ہے... یہاں کچھ مفرور مجرم داخل ہوئے ہیں... ہمیں ان لوگوں کو گرفتار کرنا ہے... سب لوگ پرسکون انداز میں بیٹھے رہیں... کسی کو کچھ نہیں کہا جائے گا... بس ان لوگوں کو گرفتار کریں گے... اور ان لوگوں کو ہم پہچانتے ہیں... ہمیں ان کے کمروں کے نمبر بھی معلوم ہیں، لہٰذا کسی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... البتہ انہیں پریشان ہونے کی اجازت ہے۔" یہ الفاظ ہنس کر کہے گئے۔

ہال میں بیٹھے بہت سے لوگ بھی ہنسنے لگے... پھر پولیس سیدھی
ان کے کمروں کی طرف گئی... جلد ہی پھر اعلان کیا گیا:

''وہ اپنے کمروں میں نہیں ہیں... ان کا سامان ضرور موجود ہے...
اب ہمیں پورے ہوٹل کی تلاشی لینا ہوگی... ضرور وہ کسی کمرے میں چھپے ہیں...
لیکن وہ بچ کر نہیں جا سکتے... اس لیے کہ ہوٹل کو پوری طرح گھیرے میں لیا جا چکا
ہے...''

اس کے بعد بہت دیر تک پولیس کی بھاگ دوڑ کے مناظر انہیں
نظر آتے رہے... وہ دل ہی دل میں مسکراتے رہے... آخر ایک گھنٹے بعد اعلان
کیا گیا:

''ہمیں افسوس ہے... وہ لوگ نہیں ملے... اس کا مطلب ہے... وہ
ہمارے یہاں آنے سے پہلے ہی جا چکے ہیں... خیر کوئی بات نہیں... جائیں گے
کہاں... ہم نے پورے شہر کو پہلے ہی سیل کر رکھا ہے۔''

پھر پولیس چلی گئی... البتہ چند پولیس والے ہوٹل کے باہر
موجود رہے... شاید ان کی وہاں ڈیوٹی لگائی گئی تھی... انہوں نے سکون اور
اطمینان سے کھانا کھایا اور پھر باہر نکل آئے... پولیس والوں کی طرف انہوں
نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا... دوسرے ہوٹل سے کرائے کی گاڑی وہ پہلے ہی
حاصل کر چکے تھے... گاڑی میں بیٹھ کر وہ اپنے ہوٹل پہنچے... انہیں وہاں ہر
طرح خیریت نظر آئی... لیکن ابھی وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئے ہی تھے...
کہ دروازے پر زوردار انداز میں دستک ہوئی۔ وہ چونک اٹھے... پھر انسپکٹر
جمشید اٹھ کر دروازے پر چلے گئے... انہوں نے بے دھڑک انداز میں دروازہ
کھول دیا... باہر ایک پولیس آفیسر اپنے چند ماتحتوں کے ساتھ موجود تھا:

''فرمائیے؟''

''آپ آج ہی یہاں آئے ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''اور آپ کی تعداد چھ ہے۔''

''جی ہاں۔''

''خوب خوب... آپ تین مرد، دو لڑکے اور ایک لڑکی ہیں۔''

''بالکل ہیں... لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''اب تو بیٹھ کر بات کرنا ہوگی۔'' اس نے کہا اور اندر آ گیا۔ اس کے
ماتحت بھی اندر آ گئے۔

''تشریف رکھیے۔''

وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے...

''آج شہر میں داخل ہونے والے لوگوں کی تمام تر تفصیلات ہم نے
حاصل کر لی ہیں... کسی گاڑی میں چھ آدمی آپ لوگوں کی شکل صورت کے
مطابق نہیں آئے۔'' اس نے سرد آواز میں کہا۔

اب انہیں احساس ہوا... یہ لوگ عقل سے پیدل نہیں تھے...
سب سے پہلے انہوں نے معلومات حاصل کی تھیں اور پھر ان کی تلاش شروع کی
تھی... انہوں نے تمام ہوٹلوں سے آج کے دن کمرے حاصل کرنے والوں کی
تفصیلات بھی حاصل کی تھیں... یہی وجہ تھی کہ وہ اس وقت ان کے پاس موجود
تھے اور انسپکٹر کے لہجے کا اطمینان بتا رہا تھا... اسے ان پر پوری طرح شک ہے۔
ادھر وہ ان کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا... اور اس کے سوال کا
جواب ان کے پاس تھا نہیں... کیونکہ ان کی معلومات مکمل تھیں... اور ان کا ہر

غلط جواب انہیں مشکل ہی میں ڈالنے والا تھا... آخر انہوں نے کہا:

''آپ جن لوگوں کی تلاش میں ہیں... وہ ہم ہی ہیں۔''

''کیا!!!'' وہ بری طرح اچھلے... شاید اس صاف اور سیدھے جواب کی انہیں ایک فیصد بھی امید نہیں تھی... ان کے پستول ان کی طرف تن گئے...

''اٹھیے... آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہے... چپ چاپ ہتھکڑیاں پہن لیجیے۔''

انہوں نے ہاتھ آگے بڑھا دیے... پھر باہر آ کر پولیس کی گاڑی میں بیٹھ گئے... یہ بند گاڑی تھی... دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا گیا اور گاڑی چل پڑی... پھر گاڑی رکی اور پچھلا دروازہ کھولا گیا... وہ گاڑی سے اترے تو انہوں خود کو ایک بہت طویل کمرے میں پایا... انہوں نے اس قدر لمبا کمرہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا... اس کا دوسرا سرا نظر ہی نہیں آ رہا تھا... تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اندر وہ پولیس والے بھی نظر نہیں آ رہے تھے... البتہ فوجی وردیوں والے افراد وہاں موجود تھے... ان سب کے ہاتھوں میں کلاشن کوفیں تھیں اور بھی کئی طرح کا اسلحہ ان کے پاس موجود تھا... ان کے جسموں پر جو وردیاں تھیں... وہ کم از کم ان کے ملک کی تو تھیں نہیں... ان کے علاوہ وہاں راجہ برلاس موجود تھا... ایسے میں بھاری قدموں کی آواز سنائی دی... آواز تاریک سرے کی طرف سے آئی تھی... ان کے رخ بھی اسی طرف ہو گئے... کوئی تاریکی میں بہت دور سے چلا آ رہا...

''سر آ گئے۔'' راجہ برلاس اور باقی لوگوں کے منہ سے نکلا۔

انہیں بہت حیرت ہوئی... آخر یہ کتنا بڑا کمرہ تھا... جس کا

دوسرا سرا نظر نہیں آ رہا تھا اور تاریکی سے آنے والے کے قدموں کی آواز بہت دور سے سنائی دینے لگی تھی... پھر قدموں کی آواز نزدیک آ گئی... اور تاریکی سے نکل کر ایک لمبے قد کا چوڑا چکلا آدمی ان کے سامنے آ گیا... راجہ برلاس اور وردی والے فوراً سلوٹ مارنے کی پوزیشن میں آ گئے... تن کر کھڑے ہو گئے۔

''ان کی پوری کہانی کیا ہے۔'' آنے والے کی آواز اس عجیب کمرے میں گونجی... گونج کی وجہ سے ماحول عجیب سا تھا۔

''میں بتاتا ہوں سر۔'' راجہ برلاس نے کہا۔

اور پھر اس نے ڈاک بنگلے سے لے کر اس وقت تک کی تفصیلات سنا دیں... لمبا آدمی خاموش کھڑا غور سے سنتا رہا۔

''تو پہلے یہ لوگ شاہی لباس میں تھے۔''

''یس سر۔''

''خوب! انہوں نے اس قدر جلد اپنے حلیے کس طرح تبدیل کر لیے۔''

''اس پر تو ہمیں بھی حیرت ہے۔''

''لیکن؟'' لمبے آدمی کی آواز اور بلند ہو گئی۔

''لیکن کیا سر؟''

''یہ اس وقت بھی میک اپ میں ہیں... اپنے اصل حلیے میں نہیں ہیں۔''

''اوہ اوہ۔'' مارے حیرت کے وہ سب بول اٹھے۔

''پہلے ان کے اصل چہرے دیکھتے ہیں... ڈاکٹر برلاس۔'' وہ پکارا۔

''یس سر... اندھیرے میں سے کسی نے کہا۔

"آگے آ جائیں... اور ان کے چہروں سے میک اپ اتار دیں۔"

"یہ کام ہم خود کر دیتے ہیں... اپنے ڈاکٹر کو تکلیف نہ دیں۔" انسپکٹر جمشید نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"بہت خوب! یہ تو کچھ زیادہ ہی شریف لوگ ہیں... چلیے پھر اتار دیں میک اپ۔"

اس وقت تک ڈاکٹر کے لباس میں ایک شخص اندھیرے سے نکل کر ان تک آ چکا تھا... وہ درمیانے قد کا گول مٹول سا آدمی تھا... لیکن اس کے چہرے سے بہت زیادہ چالاکی ٹپک رہی تھی۔ وہ گوہی تھا۔

انہوں نے اپنے میک اپ اتار دیے...

"دیکھا! میرا اندازہ درست تھا نا۔" وہ چہکا۔

"بالکل سر۔" ڈاکٹر بولا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے ڈاکٹر سر لاس سے کہا تھا کہ یہ لوگ ضرور انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ہیں... سو وہی بات ہوئی..."

"نن... نہیں۔" راجہ بر لاس کے منہ سے خوف کے عالم میں نکلا۔

"اس قسم کے کام یہی لوگ کرتے ہیں... خیر اچھا ہی ہو گیا... یہ لوگ ہمارے قابو میں آ گئے... اس قصبے میں کیا ہو رہا ہے... اب حکومت کے لیے یہ جاننا ممکن نہیں رہے گا۔"

"یہاں آپ غلط ہیں۔" انسپکٹر جمشید پر سکون آواز میں بولے۔

"کیا مطلب... میں نے کیا غلط بات کر دی؟"

"ہمارے علاوہ اس ملک میں انسپکٹر کامران مرزا بھی ہیں... شوکی

برادرز بھی ہیں... ہماری گمشدگی کی خبر انہیں اس قصبے میں ضرور لائے گی... کیونکہ یہ بات ملک کے صدر صاحب کو معلوم ہے کہ ہم یہاں آئے ہوئے ہیں اور اس کے گواہ خود آپ ہیں راجہ صاحب۔"

"کیا مطلب..." گوہی کے لہجے میں بھی حیرت تھی۔

"انہیں کس طرح معلوم ہے یہ بات۔" سر لاس نے منہ بنایا۔

"شہر میں داخل ہوتے وقت جب ان کی تلاشی لی جانے لگی تو یہ اڑ گئے... صدر صاحب نے مجھے فون کیا کہ ان لوگوں کی تلاشی نہ لی جائے... میں نے ان سے کہہ دیا کہ جی بہتر... لیکن انہیں تلاشی کے بغیر پھر بھی اندر داخل نہ ہونے دیا... مطلب یہ کہ یہ بات درست ہے... صدر صاحب کو معلوم ہے کہ یہ لوگ قصبے میں ہیں... لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"ہاں واقعی اس سے کیا ہوتا ہے... تم کہہ دینا... وہ اچانک غائب ہو گئے... پھر جب یہاں انسپکٹر کامران مرزا آئیں گے تو ہم انہیں بھی دیکھ لیں گے... پھر ان کے بعد شوکی برادرز آئیں گے تو انہیں بھی دھر لیا جائے گا... کیا خیال ہے... اب ہم ان لوگوں کو لے جائیں۔" سر نے کہا۔

"بالکل سر... اور کیا ہمیں ان کا اچار ڈالنا ہے۔" راجہ چہکا۔

"آ جاؤ بھئی... تاریکی سے روشنی کی طرف... تاکہ انہیں روشنی سے تاریکی میں لے جا سکو۔" سر نے پکار کر کہا۔

اور پھر وہاں بہت سے قدموں کی گونج سنائی دینے لگی... مارے حیرت کے ان کا برا حال تھا... اب انہیں احساس ہو چکا تھا کہ جس کو وہ کمرہ خیال کر رہے تھے... وہ کمرہ ہرگز نہیں... وہ تو کوئی راستہ تھا... جس سے کچھ لوگ چلے آ رہے تھے... اور پھر تاریکی سے نکل کر قطار در قطار آنے والے

لوگ انہیں نظر آ گئے... وہ فوجی تھے... شارجستان کے فوجی... اسلحے سے پوری طرح لیس... اور بھاری تعداد میں... اب ظاہر ہے... اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ کیا کر سکتے تھے۔ پروفیسر داؤد اپنے کسی ہتھیار سے کچھ لوگوں کو بے ہوش کر دیتے... تب بھی اس تاریکی میں سے اور نکل کر آگے آ جاتے...

"یہ... یہ سب کیا چکر ہے جمشید۔"

"اس چکر کو جاننے کے لیے ہی تو میں نے چکر چلایا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

"تم نے چکر چلایا ہے... یا تم ہمارے چکر میں آ گئے ہو؟" راجہ ہنسا۔

"ان لوگوں نے اپنے ملک سے یہ سرنگ نکالی ہے... اس سرنگ کے ذریعے یہ اپنا کام کر رہے ہیں..."

"اپنا کام... وہ کیا؟"

"اس قصبے کے ذریعے ہمارے ملک کے اہم اور قیمتی لوگوں کو غائب کرنے کا کام ہے ان کے ذمے... اپنے ایجنٹوں کے ذریعے کسی نہ کسی بہانے ایسے لوگوں کو سیکیورٹی گڑھ کی سیر پر اکسایا جاتا ہے... جب وہ چل پڑتے ہیں تو انہیں ڈاک بنگلے میں ٹھہرنے پر مجبور کیا جاتا ہے... تاکہ وہاں انہیں روک کر آگے اطلاع دی جائے کہ شکار جال کی طرف آ رہا ہے... اب یا تو ڈاک بنگلے سے غائب کر دیا جاتا ہے... یا سیکیورٹی گڑھ میں پہنچنے کے بعد یہ اپنا کام کرتے ہیں... جس طرح اب یہ ہمیں غائب کر دینا چاہتے ہیں۔"

"لیکن ابا جان! یہ راجہ برلاس کو کیا ہوا... یہ تو ہندو نہیں ہے۔"

"مسلمان قوم اس مسئلے سے ہمیشہ دوچار چلی آ رہی ہے... اسے

جب بھی نقصان پہنچا... غداروں کے ذریعے پہنچا... بڑے بڑے بہادر غداروں کی غداری کے سبب شکست کھا کر موت کے منہ میں چلے گئے... ان لوگوں نے سلطان ٹیپو جیسے بہادر کو غداروں کے ذریعے شکست دی... ان سے بھی پہلے خوارزم شاہ جیسے بہادروں کو شکست ہو گئی تھی... ایسی اور بھی بے شمار مثالیں ہیں... مسلمانوں میں غدار ہمیشہ پیدا ہوتے رہے اور ان کی وجہ سے اسلام کو اتنا نقصان پہنچا کہ بیان سے باہر ہے... راجہ برلاس تو ہے کس کھیت کی مولی... لیکن ہندوؤں نے اسے بھی پٹی پڑھائی... اپنے سانچے میں ڈھال لیا یا یوں کہہ لیں کہ شیشے میں اتار لیا اور یہ مکمل طور پر ان کی گود میں جا گرا... نتیجہ یہ کہ پورا قصبہ ایک طرح سے ہماری حکومت سے کٹ گیا... اور یہاں ان لوگوں کی من مانی ہونے لگی... بہت خاص خاص کچھ لوگ جب یہاں آ کر غائب ہو گئے تو ملک میں بے چینی پھیلنے لگی... ذہنوں میں سوال ابھرنے لگا کہ آخر اس قصبے میں ہو کیا رہا ہے... آخر یہ باتیں اوپر کے حلقوں میں پہنچ گئیں... صدر صاحب نے ایک میٹنگ بلائی... اس میں مجھے بھی بلایا گیا... اس طرح یہ معاملہ میرے سپرد کیا گیا... نتیجے کے طور پر ہم یہاں موجود ہیں... اگر ہم خود کو ان کے حوالے نہ کرتے تو کبھی اس سرنگ تک نہ پہنچتے اور ہمیں یہ پتا نہ چلتا کہ اصل سازش پڑوسی ملک کی ہے... اس نے آلۂ کار بنا رکھا ہے راجہ برلاس کو... ظاہر ہے۔ راجہ صاحب کی یہ لوگ خوب خدمت کرتے ہوں گے... بڑی بڑی رقمیں... بڑے بڑے تحائف... اور یہ لالچ بھی دیتے ہوں گے کہ اب اس ملک پر یا اس ملک کے بعض حصوں پر ہمارا قبضہ ہو جائے گا تب ہم اس حصے کا حکمران آپ کو بنا دیں گے... یہ ہیں وہ لالچ جو راجہ صاحب جیسوں کو پاگل بنا دیتے ہیں... افسوس راجہ صاحب... آپ یہ کھیل ہار گئے... آپ کے ہاتھ سوائے پھانسی کے اور

کچھ بھی نہیں آئے گا۔''

''انسپکٹر جمشید! شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے... ہم تمہارے قبضے میں نہیں... تم ہمارے قبضے میں ہو۔''

''ہاں! بظاہر میں ضرور ایسا ہی ہے... لیکن حقیقت میں یہ بات نہیں ہے۔'' وہ مسکرائے۔

''کیا مطلب؟'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''میں بتاتا ہوں... ہم نے اس منصوبے پر عمل بہت پہلے شروع کر دیا تھا... یہاں آنے سے پہلے ہم نے اپنے آدمی یہاں بھیجنے شروع کر دیے تھے۔''

''کیا مطلب؟''

وہ سب ایک ساتھ بولے۔

☆☆☆☆☆

منصوبہ

''جی ہاں! ہم ایسے ہی منہ اٹھا کر مینگوری ٹاؤن نہیں چلے آئے... صدر صاحب کے ساتھ جو میٹنگ ہوئی تھی... اس میں میں شریک تھا... ہمارے سامنے سب سے پہلا سوال ہی یہ تھا کہ آخر ہمارے ملک کے بعض اہم ترین لوگ مینگوری ٹاؤن جا کر غائب کیوں ہو جاتے ہیں... اور یہ کہ جب ہم وہاں جائیں گے تو وہ لوگ ہمیں بھی غائب نہیں کر دیں گے... اب دیکھ لیں... اگر ہم انتظام کیے بغیر چل پڑتے تو اس وقت غائب ہو گئے تھے یا نہیں۔'' یہاں تک کہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

''لیکن ہمیں تو یہاں کوئی انتظامات نظر نہیں آ رہے... آخر وہ انتظامات کیا تھے جو آپ کر کے چلے تھے۔'' راجہ برلاس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''صدر صاحب کی میٹنگ میں میں نے تجویز پیش کی کہ پہلے ہم اپنے خفیہ کارکن مینگوری گڑھ بھیجیں گے... اور وہ عام لوگوں کے روپ میں ہوں گے... مزدوروں کے روپ میں، سبزی اور پھل وغیرہ لے جانے والوں کے روپ میں، تجارت کی دوسری چیزیں جو مینگوری گڑھ میں لے جائی جاتی ہیں، ان کو لے جانے والوں کے روپ میں دوسرے کاری گروں کے روپ میں

ہمارے کارکن میگوری گڑھ میں جائیں گے اور جب تک ہم نہیں آئیں گے... وہ اسی قسم کے لوگوں کے ساتھ رہیں گے، اسی ماحول میں... انہی کے لباس میں... اور یہ خفیہ کارکن ہوں گے بھی کافی تعداد میں... پھر ہماری فوج کا ایک خاص دستہ میگوری گڑھ کے بالکل قریب ایک چھاؤنی ڈالے گا... اس چھاؤنی تک فوجی چھاتہ بردار وردی کی صورت میں آئیں گے... کیونکہ سڑک کے راستے آئیں گے تو ان لوگوں کو خبر ہو جائے گی... یہ تمام انتظامات... اس پروگرام کے عین مطابق جب مکمل ہو گئے تو پھر مجھے اور میرے ساتھیوں کو روانہ ہونے کا اشارہ ملا... چنانچہ ہم شاہی لباس میں روانہ ہوئے اور رات کی تاریکی میں روانہ ہوئے... اس طرح کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی... مطلب یہ کہ اب اس وقت اگر ہم یہاں موجود ہیں تو اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ صورت حال پوری طرح آپ کے کنٹرول میں نہیں... ہمارے کنٹرول میں ہے... اگر ہم پوری قوت کے ساتھ باقاعدہ حملہ آور ہوتے تو اس سرنگ کا سراغ نہ ملتا... اور یہ راز بھی معلوم نہ ہوتا کہ یہاں چکر کیا چل رہا ہے... دراصل یہ سرنگ ہمارے دشمن ملک شارجستان کی سرحد تک جاتی ہے... اس سرنگ کے ذریعے یہ سارا کام ہو رہا تھا... ہمارے ملک کی اہم ترین شخصیت غائب کی جا رہی تھیں... ان کا خاص شخصیات کا تعلق اسلام کے چاہنے والوں سے تھا... یہ لوگ اسلام کا نظام چاہتے ہیں۔ اسلام کے دیوانے ہیں... اسلام کے لیے مرنے مٹنے کا جذبہ رکھتے ہیں... ان کے دن رات اسی سوچ اور فکر میں بسر ہوتے ہیں... لیکن ایسے لوگ اسلام دشمنوں کی نظروں میں کھٹکتے ہیں... وہ ان لوگوں کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کرتے... چنانچہ یہ منصوبہ بنایا گیا... پہلے شارجستان کے چند دولت مندوں نے مسلمانوں کے روپ میں شاہی ہوٹل

خریدا... پھر اس کے نیچے سے سرنگ نکالنے کا کام شروع ہوا... اب ظاہر ہے... جب شارجستان کی حکومت ہی یہ کام کرے گی تو اس کے لیے کیا کچھ وسائل اختیار نہیں کیے جائیں گے... لہٰذا ہم جو دیکھ رہے ہیں، یہ سرنگ بالکل ایسی ہے جیسی کہ معظم سے ایک سرنگ گیٹ تک نکالی گئی ہے... وہ اس قدر چوڑی اور اونچی ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو کر بھی اس پر سفر کیا جا سکتا ہے... اور غالباً آٹھ گھوڑے ساتھ ساتھ دوڑ سکتے ہیں... یہ کافی کھلی ہے... اسی طرح کی یہ سرنگ ہے... اس سرنگ کے ذریعے شارجستان کے لوگ آسانی سے غیر قانونی طور پر ہمارے ملک میں داخل ہو سکتے ہیں اور ادھر سے اس طرف جا بھی سکتے ہیں... گویا اس قسم کی سازشوں کے لیے آپ لوگوں نے کس قدر آسانیاں پیدا کر لی ہیں... کس قدر آزادانہ آپ لوگ آ جا سکتے ہیں... یہ پورا سب آپ اغوا کر چکے ہیں... لیکن اللہ کی مہربانی سے ابھی اس ملک میں بہت لوگ موجود ہیں جو آپ کی سازشوں کے بخیے ادھیڑ سکتے ہیں..." یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"تقریر ختم ہو گئی... لیکن وہ لوگ کہیں نظر نہیں آ رہے جن کا آپ ذکر کر رہے ہیں... کہاں ہیں آپ کے خفیہ کارکن؟" ان کے سر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"قسم ایک۔" انسپکٹر جمشید پکارے۔

"یس سر۔" سرنگ کے پچھلے سرے سے آواز آئی۔

"اپنی موجودگی کا ثبوت ان میں سے ایک کی لاش گرا کر دو۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ سرد ہو گیا۔

فوراً ایک فائر ہوا... دلیپ جراس اچھل کر گرا... اس کی آخری

چیخ بہت بھیانک تھی۔ ان کے رنگ زرد پڑ گئے...

''ہم اپنے دین، اپنی قوم اور اپنے ملک کے لیے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کا عزم لے کر گھر سے نکلے ہیں... اگر شوق ہے تو آواز دو اپنے ملک کے فوجیوں کو... یہ جنگ اس سرنگ میں ہی لڑی جائے گی... اب یا تو تم لوگ، اس سرنگ سے نکل کر ہمارے قبضے پر چھا جاؤ گے... یا ہم سرنگ سے نکل کر تمہارے ملک کی سرحد پر حملہ آور ہوں گے... یہ تو ہوگا جنگ کی صورت میں... دوسری پر امن صورت یہ ہے کہ تم خود کو ہمارے حوالے کر دو... ورنہ راجہ برلاس کی طرح تم لوگ تو ہمیں تڑپتے نظر آؤ گے... جب تک تمہاری فوج یہاں آئے گی... ہم تمہارا صفایا کر چکے ہوں گے... جو پسند ہے کر گزرو...''

وہ سوچ میں پڑ گئے... آخر انہوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے... کیونکہ سب لوگ پوری طرح زد میں تھے... اور مقابلے کی صورت میں دونوں طرف کے لوگوں کا مارا جانا یقینی تھا... اب جان دینے کی ہمت جن میں تھی... وہ تو ڈٹے کھڑے رہے... جو موت کو سامنے دیکھ کر گھبرا گئے، انہوں نے ہاتھ اٹھا دیے۔

''گرفتار کر لو بھئی ان لوگوں کو... ابھی ہمیں اس سرنگ کو بند بھی کروانا ہے... اور ہاں... شاہی ہوٹل کے عملے کو گرفتار کیا جا چکا ہے یا نہیں۔''

''سب کے سب حراست میں ہیں سر... کوئی چوں بھی نہیں کر سکا۔'' نمبر ایک کی آواز سنائی دی۔

''بہت خوب!'' وہ مسکرائے۔

دوسرے دن اس سرنگ کی سنسنی خیز کہانی سے ملک کے اخبارات بھرے پڑے تھے اور وہ اپنے گھر بیٹھے مبارک بادوں کے ڈھیر وصول

کر رہے تھے... اور یہ ڈھیر وصول کرتے ہوئے فاروق کہہ رہا تھا:

''مجھے ڈر ہے... یہ مبارک بادیں وصول کرتے کرتے کہیں ہم بھول کر کپانہ بن جائیں...''

اور یہ مبارک بادیں دینے والے محمود، فاروق اور فرزانہ کے جملوں پر بار بار مسکرا دیے تھے... ادھر ملک کی فوج کا ایک دستہ سرنگ کو بند کروا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

اشتیاق احمد